دسمبر ۱۹۸۲

ماہنامہ

حیات نو

ANJUMAN TALBA-E-QADEEM

انجمن طلبۂ قدیم

جامعۃ الفلاح بلریاگنج - اعظم گڑھ یوپی (الہند)

BILARIAGANJ AZAMGARH (U.P.) INDIA

انجمن طلبۂ قدیم کے اغراض و مقاصد

۱- فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے لئے منظم کرنا۔

۲- ان کی صلاحیتوں کو ان مقاصد کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

۳- جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا

۴- مقاصد جامعہ کیلئے دیگر دینی تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

مقاصد جامعہ سے مراد دستور جامعۃ الفلاح کی دفعہ ۳ کے تحت مندرجہ ذیل مقاصد ہیں

(۱) ایسے افراد تیار کرنا جو:-

الف۔ قرآن و سنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت رکھتے ہوں۔

ب۔ جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر بھی ہو اور جو غیر اسلامی نظریات سے بھی بخوبی واقف ہوں

ج۔ جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔

د۔ جن میں احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا صحیح جذبہ ہو۔

ہ۔ جو گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالا ہو کر وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دیں۔

(۲) ایسا نصاب تعلیم زیر عمل لانا جس میں دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو۔

(دستور انجمن طلبہ قدیم)

ماہنامہ

حیاتِ نو

مدیر مسئول — تنویر محمد فلاحی
مدیر معاون — سید راشد علی حامدی

مجلسِ ادارت

شبیر احمد فلاحی	مرکز دہلی
نسیم احمد غازی فلاحی	مرکز دہلی
عبیداللہ فہد فلاحی	علی گڑھ
اشتیاق دانش فلاحی	علی گڑھ
عبدالحق فلاحی	دعوت دہلی
شفیق عالم رانچوی	رانچی
اطہر ریحان فلاحی	الجبیل (عربیہ)

صفر، ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۲ء

سالانہ زرِ تعاون ۲۰ روپے
قیمت فی شمارہ ۲ روپے

شمارہ نمبر ۶ — جلد نمبر ۴

نقوشِ حیاتِ نو

حرفِ کنایہ
• ملک کا مستقبل ایک لمحۂ فکریہ — سید راشد علی حامدی ۲

بارگاہِ نبوی سے
• چین کا جدید مسلمان ازم — رفیع الدین فلاحی ۴

فکر و خیال
• تعدد ازدواج — منور حسین فلاحی ۹
• اسلام میں کامیابی کا تصور — سید راشد علی حامدی ۱۲
• دین سے انحراف آج کا سب سے بڑا خطرہ — ماخوذ ۱۶
• نصرتِ خداوندی — ابوسفیان اصلاحی ۱۹

شخصیات و تحریکات
• مجلس یاد مولانا مودودیؒ — ظفر احمد فلاحی ۲۳
• اخوان المسلمون ایک جائزہ اور مطالعہ — عبیداللہ فہد فلاحی ۲۷

شعر و نغمہ
• ارمغانِ خلوص — شبنم سبحانی ۳۲
• غزل — سید راشد علی حامدی ۳۳

عالمِ اسلام
• افغانستان کی موجودہ صورتحال — ماخوذ از روزنامہ جنگ لندن ۳۴

نقد و تبصرہ
• اقبال کا مسئلہ — راشد شاذ ۳۷

حلقۂ یاراں
• حکایتیں و شکایتیں — منور حسین فلاحی، ابوالکلام انظمی ۳۹

جامعہ کے لیل و نہار
• تقریری مقابلے
• کنونشن کی تیاریاں آخری مرحلے میں
• جمعیۃ الطلبہ کا خصوصی پروگرام
• تحریری انعامی مقابلہ
• جامعہ میں روشنی اور واٹر سپلائی کا خصوصی انتظام
— محمد صبیح احمد ۴۰

کتابت محمد راشد

دھڑکنیں

ملک کا مستقبل — ایک لمحۂ فکریہ

آج سے چند سال قبل مفکرین اس فکر اور اندیشے میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اگر آبادی اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو دنیا غذائی قلت کا شکار ہو جائیگی اور آبادی کے تناسب کو کم کرنے کیلئے مختلف تجاویز پیش کر رہے تھے لیکن آج جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں یہ اندیشے غلط اور بے بنیاد ہو چکے ہیں کہ آبادی کے بڑھنے اور پیداوار کے گھٹنے سے دنیا کی ایک بڑی تعداد فاقہ کشی کا شکار ہو جائیگی۔

بلکہ آج جو مسئلہ عالمی توجہات کا مرکز بنا ہوا ہے جس مسئلہ پر امریکہ، اور روس جیسے سپر پاور اور ترقی یافتہ ممالک بھی سرگرداں ہیں وہ نئی نسلوں میں جرائم اور تشدد کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ اعداد و شمار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جرائم کا تناسب آبادی کے تناسب سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس مسئلہ کے حل کیلئے بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد کی جارہی ہیں، تجاویز پیش کی جارہی ہیں، فلسفۂ اخلاق پر بڑی بڑی کتابیں لکھی جارہی ہیں لیکن انکا کوئی اثر بظاہر دکھائی نہیں دیتا جس طرح آکاس بیل کسی درخت پر پھیلتی ہے تو اس کے پتے پتے اور شاخ شاخ پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ بسا اوقات درخت چھپ جاتا ہے اور صرف آکاس بیل ہی نظر آتی ہے بالکل اسی طرح آج جرائم زندگی کے تمام شعبوں پر اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ معاشرہ غلاظت کا ایک ڈھیر معلوم ہوتا ہے جس سے ہر وقت تعفن کے بھبکے اٹھ رہے ہیں۔ مغرب ہی نہیں مشرق بھی اسی لعنت میں گرفتار نظر آتا ہے خود ہندوستان آج جن سنگین اور تشویشناک صورتحال سے دوچار ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان جس کی پاکیزگی و تقدس کا شہرہ چہار دانگ عالم میں تھا جو مشرقی روایات اور روحانی اقدار کا گہوارہ تھا جو پنڈتوں، پروہتوں، رشیوں، منیوں اور اوتاروں کا دیس اور علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی روحانی تعلیمات کا مرکز تھا آزادی کے بعد الحاد و دہریت کے سیلاب میں بہہ گیا جو ملک پیدائشی طور پر مذہبی تھا اس کا دستور لادینی اور مادی خطوط پر مرتب کیا گیا جس کی فطرت میں خدا اور مذہب کا تصور ودیعت کیا گیا تھا اس کی تہذیب و تمدن کی تشکیل خدا بیزاری اور مذہب دشمنی کی بنیادوں پر کی گئی اس کی اخلاقی و روحانی اقدار کو یوں پامال کیا گیا کہ "سالاران عشق اعظم کی تمناؤں کا خون" ہوگیا اور خدا اور مذہب کا جنازہ اس دھوم سے اٹھایا گیا کہ شیطان خوشی سے ناچ اٹھا آزادی کے بعد ملک کے رہنماؤں اور ارباب حل و عقد نے ہندوستان کے ارتقاء کا راز یہی سمجھا کہ خدا اور مذہب کے تصور کو اپنی سیاسی و سماجی اور معاشرتی زندگی سے کھرچ پھینکا جائے اور اپنے "مہذب" اور "ترقی یافتہ" ہونے کا ثبوت فراہم کیا جائے اور ہندوستان کی تعمیر جدید مادی خطوط پر کی جائے۔ اس وقت جواہر لال نہرو جیسا مدبر اور جہاندیدہ سیاستداں بھی اس نظریہ کی سمیت کا اندازہ نہ کر سکا اور اپنی تقریر میں کہتا ہے کہ:

"زیارت کی جگہیں صرف مندر اور مسجد اور گرجا نہیں بلکہ وہ مقامات ہیں جہاں ترقیاتی منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔"

لیکن اس کا نتیجہ جو سامنے آیا وہ یہ تھا کہ الحاد و بے دینی اور خدا بیزاری کو کلچر و ثقافت کا نام دیا گیا۔ ملک کی وفاداری کے نام پر قومی و نسلی اور علاقائی فرقہ واریت کو ہوا دی گئی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا حوالہ دے کر کھلی تعصب و تنگ نظری، فرقہ وارانہ منافرت اور نسلی و قومی عصبیتوں کا نشہ پلایا گیا تہذیب و تمدن کی آڑ میں نوجوانوں کے اندر سفلی جذبات کو برانگیختہ کرنے کا سامان فراہم کیا گیا۔

چنانچہ آج ہندوستان میں ایک طرف قومی و علاقائی تعصب، فرقہ وارانہ منافرت اور نسلی برتری کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا ہے فرقہ واریت کی آگ پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ آسام، پنجاب، منی پور اور ناگالینڈ میں فرقہ واریت کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ علیحدگی کے نام پر ملک کو کمزور کرنے اور اس کے شیرازہ کو منتشر کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں تو دوسری طرف ہندوستان

سماج اپنی تمام امتیازی خصوصیات کھو چکا ہے۔ آج عصمت و عفت کے آبدار موتی سرعام نیلام ہو رہے ہیں قبائے انسانیت کو تار تار کیا جا رہا ہے ملک کی تعلیم گاہیں نوجوانوں میں مثبت اور تعمیری انداز فکر پیدا کرنے کے بجائے تخریبی اور منفی انداز فکر پروان چڑھا رہی ہیں وہاں سے نکلنے والے طلباء نہ صرف انفرادی طور پر اپنی ذات کیلئے بلکہ اجتماعی طور پر ملک و ملت کی سالمیت کے لئے خطرہ ثابت ہو رہے ہیں۔

ملک کی اس صورتحال نے تمام ہی دانشوروں کی نیندیں حرام کر دی ہیں وہ اس کے حل کے لئے مختلف تجویزیں پیش کر رہے ہیں قومی و ملی سطح پر مختلف تدبیریں آزمائی جا رہی ہیں لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

ابھی حال ہی میں لکھنؤ میں ممبر پارلیمنٹ ڈاکٹر کرن سنگھ نے ملک میں بڑھتی ہوئی بدعنوانیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر بدعنوانیوں کے کینسر کو روکنے کے لئے بروقت اقدامات نہ کئے گئے جو ہندوستانی سماج کو اندر سے کھائے جا رہے ہیں تو نتائج بہت سنگین اور نقصانات ناقابل تلافی ہوں گے۔

لکھنؤ ہی میں ایک دوسری جگہ تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر کرن سنگھ نے کہا کہ "ذاتی طور پر میں پاکستان کے ایف ۱۶ جیٹ طیاروں سے اتنا خوفزدہ نہیں ہوں جتنا ہندوستانی زندگی کے ہر شعبہ میں بڑھتی ہوئی بدعنوانی سے ڈرتا ہوں۔"

مدراس سے نکلنے والے ایک انگریزی روزنامہ "مدراس پوسٹ" کے اداریہ میں ملک میں بڑھتے ہوئے جرائم کے انسداد خصوصاً عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری، اغوا اور دست درازی کی روک تھام کیلئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ کیا جائے۔

یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ اب لوگوں کو اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ ان سب برائیوں اور بدعنوانیوں کا اصل سبب وہ نظام حیات اور نظریہ حیات ہے جو ہندوستان میں رائج ہے اور ان تمام برائیوں اور اخلاقی جرائم کے سدباب کیلئے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا نظام اور قانون نافذ کیا جائے اس کے لئے انکی نگاہیں اسلام کے نظام عدل و قسط اور قانون حدود و تعزیرات کی طرف اٹھ رہی ہیں جو انگریزوں کے تسلط کے بعد بھی ایک عرصہ تک ہندوستان میں رائج تھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو نظام اور قانون کسی معاشرے کی اصلاح و تربیت کیلئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا جب تک کہ اسکی پشت پر قوت ہو اور قوت نافذہ نہ ہو کہ اس کو معاشرے میں نافذ کر سکے۔ چونکہ اسلام میں حدود و تعزیرات مقصود بالذات نہیں بلکہ معاشرے میں امن و آشتی اور صالحیت کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہیں اسکا مقصد ان تمام اخلاقی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے جو معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا سبب بن رہی ہیں۔ اس لئے وہ صرف نظام تعزیرات ہی کو ذریعہ نہیں بناتا بلکہ اصلاح باطن کے ذریعہ بھی اس مقصد کو حاصل کرتا ہے اور اصلاح باطن کیلئے ناگزیر ہے کہ انسان کو خدائے واحد کی حاکمیت پر ایمان کامل اور آخرت کی باز پرس پر یقین محکم ہو دراصل یہی وہ بنیاد ہے جس پر اسلامی نظام تربیت کی عمارت تعمیر ہوتی ہے پھر یہی نہیں بلکہ وہ اس مقصد کیلئے انسدادی تدابیر بھی اختیار کرتا ہے اور نظام شریعت کے نفاذ سے پہلے وہ ان تمام دروازوں کو بند کر دیتا ہے جو انسان کو جنس کی طرف لیجاتی ہیں جنسی انتشار کو روکنے کیلئے مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے جنسی و شہوانی محرکات پر پابندی عائد کرتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کے دل میں خشیت الٰہی خوف خداوندی اور آخرت میں اپنے اچھے برے اعمال کی جوابدہی کا احساس نہ ہو تعلیم گاہوں میں ملحدانہ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم رائج ہو طلبہ و طالبات کی مخلوط تعلیم کا رواج ہو فلمی میڈیا اور صنفی جذبات کو ابھارنے والا لٹریچر عام ہو تو کیا کوئی آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ اسلامی نظام شریعت کامیاب ہو جائیگا۔ یا معاشرہ ان فواحش سے ہمکنار ہو سکے گا حقیقت یہ ہے کہ اصلاح اخلاق تزکیہ نفوس اور تطہیر معاشرہ کیلئے ضروری ہے کہ معاشرے میں مکمل طور پر اسلامی نظام حق نافذ کیا جائے۔

سید ارشد علی

بارگاہِ نبوی سے

رفیع الدین فلاحی

چوں می گویم مسلمانم بلرزم

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کلائی پکڑ کر مجھے چار باتوں کی نصیحت کی —

(۱) اے ابوذر! اپنی کشتی تیار کرو، سمندر بہت گہرا ہے۔ اس کے تھپیڑے کافی زوردار ہیں۔

(۲) زادِ راہ زیادہ سے زیادہ اکٹھا کرو، سفر بڑا لمبا ہے منزل بہت دور ہے۔

(۳) اپنے بوجھ کو ہلکے سے ہلکا کرو، حساب لینے والا بہت سخت ہے، جانچ کرنے والا بہت کڑا ہے۔ مگر دو بری ہو جائے گی۔

(۴) اپنے اعمال میں اخلاص و للہیت پیدا کرو۔

اپنے الفاظ میں

یہ روایت بتاتی ہے کہ آدمی کو دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں بہت سنبھل کر رہنا چاہئے۔ اس کے تھپیڑے آدمی کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتے ہیں۔ دنیا پرستی، مادیت زدگی، لہو و لعب میں انہماک اور دنیا کو حسین بنانے کی فکر آدمی کو آخرت سے دور کر دیتی ہے اور خدا سے اس کا تعلق منقطع کر دیتی ہے۔ اسی لئے روایت میں ایمان و اسلام اور تقویٰ و خدا پرستی کی مضبوط کشتی بنانے کا حکم دیا گیا ہے جس کے ذریعہ وہ برائیوں اور رنگینیوں کے سمندر کو حفاظت کے ساتھ پار کر سکے۔

پہلی نصیحت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ برائیوں اور رنگینیوں سے دور رہ کر تقویٰ کا مظاہرہ خدا کو پسندیدہ نہیں بلکہ کمالِ ایمان اور کمالِ پرہیزگاری یہ ہے کہ آدمی برائیوں کے اس بحرِ بیکراں میں گھسے اور دامن اس کا تر نہ ہونے پائے۔ فحاشی و عریانی کے ہیجان انگیز مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوں لیکن اس کی نگاہیں آخرت پر لگی ہوں اور دنیا کے ان سطحی مناظر کو حقارت سے نظر انداز کر دے۔ کاروبارِ دنیا میں لگا ہو لیکن عقبیٰ اصل منزل ہو۔

دوسری نصیحت میں زیادہ سے زیادہ زادِ راہ اکٹھا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ زندگی کی اس طویل مسافت میں برائیوں سے دامن بچاتے ہوئے جادۂ حق پر گامزن رہنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ "لا الٰہ" را

جس کسی نے کہا ہے کہ بالکل حقیقت کی ترجمانی کی ہے، صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لئے اعمالِ صالحہ (زادِ راہ) کی سخت ضرورت پڑے گی۔ یہی وہ ہتھیار ہے جو انسان کو شیطانی وساوس اور بدی کی چالوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ داعیٔ دین کو اعمالِ صالحہ کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ جمع کرنا چاہئے کہ اس کے بغیر منزل تک پہنچنا ناممکن ہے۔

تیسری نصیحت تمام ہی صاحبِ ثروت حضرات کو دعوتِ فکر دیتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ مشہور صاحبِ ثروت صحابی ہیں۔ انہوں نے غزوۂ تبوک میں شریک ہر صحابی کو دو دو

ہزار روپیہ انعام دیا تھا۔ ایک بار آپ مدینہ طیبہ ایک ہزار اونٹ لے کر تجارت کی غرض سے تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھیں۔ اونٹوں کے بلبلانے کی آواز سنی تو دریافت فرمایا، معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کے اونٹ ہیں، انہیں بلوایا اور کہا، "عبدالرحمٰن! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ جو دس اصحاب جنت میں داخل ہوں گے ان میں سب سے پیچھے عبدالرحمٰن بن عوف ہوں گے، بلکہ وہ لنگڑاتے ہوئے جائیں گے۔" حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عبدالرحمٰن دولت مند ہیں۔ ان کا حساب دیر تک ہوتا رہے گا۔ دوسروں کا سامان ہلکا پھلکا ہوگا۔ وہ آسانی سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔"

معلوم ہوا کہ دولت و ثروت کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ صرف کرنا چاہئے اور اس طرح اپنا بوجھ ہلکا کرنا چاہئے ورنہ قیامت میں بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چوتھی نصیحت میں اخلاص و للہیت پیدا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ آدمی کی بڑی سے بڑی قربانی حتیٰ کہ جہاد اور ہجرت جیسے عظیم کام بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر نیت میں خلوص اور سرگرمیوں میں للہیت نہ ہو۔ محض رضائے الٰہی کے لئے آدمی کو جد و جہد سرگرمیاں سرانجام دینی چاہئیں۔ ورنہ اس کے اعمال صالحہ کا سارا ذخیرہ کالعدم ہو جائے گا اور بروز قیامت ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

محسن انسانیت ﷺ کے چار ارشادات کیا ہمیں دعوت فکر نہیں دیتے؟
ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کا احتساب کیا ہے؟
اپنے تمام اقوال و افعال میں اخلاص و للہیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہو؟
کیا ہم اپنی اسلامی و ایمانی کشتی کو مضبوط اور ریا سے مبرا بنا رہے ہیں؟
آخرت کے لئے توشہ جمع کرنے کی ہمیں فکر ہے؟

٭٭

بقیہ جامعہ کے لیل و نہار

۲۳ر نومبر کو جمعیۃ الطلبہ کا خصوصی پروگرام

اجلاس کی اصل کارروائیاں ۲۲ر نومبر ہی کو ختم ہو جائیں گی اور ۲۳ر نومبر کا دن جمعیۃ کے پروگرام اور تقسیم انعامات کے لئے مخصوص ہوگا۔ ان شاء اللہ اس دن جمعیۃ الطلبہ کا ایک خصوصی پروگرام ہوگا، جس میں باہر کے چند مہمانوں کو بھی دعوت دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ قریبی گاؤں کے حضرات بھی شریک ہوں گے۔ اس موقع پر انجمن طلبۂ قدیم اور جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے مقابلوں میں کامیاب ہونے والے طلباء کے درمیان انعامات تقسیم کئے جائیں گے۔ تمام مدعوئین سے شرکت کی درخواست کی گئی ہے۔

انجمن طلبۂ قدیم کی طرف سے تحریری انعامی مقابلہ

انجمن نے "جائزۂ استاذ جلیل آسی الندوی" کے تحت ایک تحریری انعامی مقابلہ کا اعلان کیا تھا۔ مقالات جمع کرنے کی آخری تاریخ ۱۰ر نومبر تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلے میں تقریباً ۲۲ مقالات جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے نتائج بھی ۲۳ر نومبر کو سنائے جائیں گے اور کامیاب ہونے والوں کو انعام سے نوازا جائے گا۔

جامعہ میں روشنی اور واٹر سپلائی کا خصوصی انتظام

خدا کا بے پایاں فضل ہے کہ ذمہ داران جامعہ کی کوششوں اور الحاج اقبال پٹیل صاحب کے مالی تعاون سے جامعہ میں جنریٹر لگ چکا ہے جس کی وجہ سے جامعہ کی رونق میں مزید اضافہ ہوگیا ہے اور طلبہ کی پریشانیاں بھی آسان ہوگئی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ دیگر سہولیات بھی حاصل ہوگئی ہیں۔ جامعہ کے غسل خانوں اور بیت الخلاء میں واٹر سپلائی سسٹم قائم ہوگیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ جامعہ کی وہ عالیشان مسجد جس کا وضو خانہ ابھی زیر استعمال صورت میں تھا، واٹر سپلائی سسٹم قائم ہو جانے کی وجہ سے برابر پانی موجود رہتا ہے اور اب نلوں پر وضو کا منظر بھی آنکھوں کے سامنے برابر دیکھا جا رہا ہے۔

٭٭

منور حسین فلاحی

تعدد ازدواج

تعارف

شادی ایک سماجی ادارہ ہے جس کے مقاصد مختلف ہیں: چند بنیادی مقاصد یہ ہیں (۱) جائز طریقے سے جنسی ضرورت کی تکمیل۔ (۲) بچوں کی پیدائش اور ان کی مناسب پرورش۔ (۳) نسل انسانی کی بقا۔ (۴) خاندان کا قیام۔ (۵) ایک دوسرے کی ضرورت کی تکمیل وغیرہ ل۔

شادی کی قسمیں بھی مختلف بیان کی گئی ہیں جو یہ ہیں:

(۱) Endogamy :- قریبی رشتہ داروں یا اپنی ذات و برادری میں شادی۔ (۲) Exogamy :- اپنے قبیلہ یا قریبی رشتہ سے باہر شادی۔ (۳) Monogamy :- ایک آدمی کا بیک وقت ایک عورت سے شادی کرنا۔ (۴) Polygamy :- ایک مرد کا بیک وقت کئی عورتوں سے شادی کرنا (۵) Polyandary :- ایک عورت کا بیک وقت کئی مردوں سے شادی کرنا۔ (۶) Group Marriage :- چند مردوں کا چند عورتوں سے اجتماعی طور پر شادی کرنا کہ گروہ کے جس فرد سے چاہے جنسی تسکین بھی حاصل کرے

ہمارا موضوع بحث Polygamy یا تعدد ازدواج ہے جس پر ہم چند سطروں میں روشنی ڈالیں گے۔

شادی کی ابتدا ایک سماجی ادارے کی حیثیت سے کب ہوئی؟ اس کے متعلق ماہرین عمرانیات کی مختلف رائیں ہیں۔ لیکن بیشتر اس پر متفق ہیں کہ انسان نے جب کافی ترقی کر لی اور وہ مہذب ہو گیا تو چند معاشی و سماجی ضرورتوں نے اسے شادی کو رواج دینے پر مجبور کیا۔ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں یہ سب قدیم ترین ادارہ ہے لیکن ساتھ ہی یہ دعوی کرتے ہیں کہ ابتدا میں اس کی کوئی شکل نہ تھی، آدمی جانوروں کی طرح اپنی جنسی تسکین جس سے چاہتا حاصل کر لیتا یہ مختلف مراحل سے ہوتی ہوئی موجودہ شکل تک پہنچی ہے۔ ابتدا میں تو بیویوں کا تبادلہ اور قرض یا رہن کے طور پر دینے کا بھی رواج تھا۔

ایک عمرانی مفکر مارگن کے مطابق شادی کا جب سے رواج ہوا یہ درج ذیل مراحل سے ہو کر گذری ہے:۔

(۱) Consanguinous Marriage :- اس مرحلہ میں قریبی لوگوں سے شادی کرنے کا رواج تھا

(۲) Group Marriage اس میں چند مرد چند عورتوں سے شادی کرتے تھے اور جنسی تعلق کی تعیین نہ تھی البتہ دوسرے گروہ کے افراد سے یہ تعلق ممنوع تھا۔

(۳) Syndesian Marriage اس مرحلہ میں مرد و عورت کا تعلق کسی اصول و ضابطہ کا پابند نہ تھا بلکہ عارضی ہوتا تھا اور بعض کسی فریق کی خواہش پر یہ ختم کیا جا سکتا تھا

(۴) Patriarchal Marriage :- یہ دوم حلہ ہے جس میں ایک مرد چند عورتوں سے بغیر کسی پابندی کے شادی کرتا تھا۔

(۵) Monogamous Marriage :- یہ موجودہ اسٹیج ہے جس میں شادی نے ایک مہذب شکل اختیار کر لی ہے اس کے تحت ایک مرد ایک وقت میں ایک ہی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔

عمرانی مفکرین کی یہ ایک بڑی غلطی ہے اور اس غلطی میں دوسرے سماجی علوم کے مفکرین بھی برابر کے شریک ہیں جب کسی چیز کی ابتدا

ل (Kitab Mahal) An Introduction To Sociology. V. B. Sachdeva (19th Edition 1980)(Allahabad) (Page 290-298)

ک P. 261 An Introduction to Sociology V.B.S.

پر غور کرتے ہیں اور انہیں اس کا سراغ نہیں ملتا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی عقل وعلم کی نارسائی کا اعتراف کریں کچھ بے بنیاد دعوے کر بیٹھتے ہیں مثلاً شادی یا خاندان کے بارے میں کہا گیا کہ ابتدا میں تو اس کا وجود تھا ہی نہیں اور مختلف مراحل سے گذرے ہیں۔ اسی طرح ڈاروین نے انسان کی ابتدا کے متعلق دعویٰ کیا اور بے بنیاد ارتقائی نظریہ پیش کیا۔ مملکت وریاست کی ابتدا کے متعلق لاتعداد بے بنیاد نظریات پیش کئے گئے۔

یہ غلطی عموماً اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کے پاس اپنی عقل کے سوا علم کا کوئی قابلِ اعتماد ذریعہ نہیں ہوتا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ شادی وخاندان اس وقت سے قائم ہیں جب پہلا انسانی جوڑا اس سرزمین پر اتارا گیا۔ ارضی وسماوی آفات کی وجہ سے انسانی سماج وتہذیب کئی بار شکست وریخت سے دوچار ہوئے لیکن قدیم زمانہ کے جو آثار ملتے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ بعض معاملات میں انسان موجودہ دور سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ ایسی عمارات اور حیرت انگیز چیزیں ہم دیکھتے ہیں جن کی نظیر موجودہ ترقی یافتہ دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہی ایک مثال لیجئے کہ تعدد ازدواج کو تاریک دور کی پیداوار اور یک زوجگی کو ترقی، تہذیب وشائستگی کی علامت کہا جاتا ہے۔ موجودہ مہذب دنیا کو دیکھئے کہ وہ وحشی انسانوں کی طرح جنسی تسکین کی خاطر جدھر چاہیں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ کسی قسم کے اصول وضابطہ کے پابند نہیں۔ شہوت کی تسکین کا ایک جائز طریقہ تعدد ازدواج کو ان کی روشن خیالی غلط ٹھیراتی ہے لیکن اس مقصد کے لئے سانڈوں کی طرح گھومنا عین تہذیب و شائستگی ہے۔ یک زوجگی عقل ودانش کا تقاضہ ہے لیکن عقل کے ٹھیکیدار اس پر قناعت نہیں کر سکتے۔

اسباب تعدد ازدواج کے اسباب کیا ہیں؟ اس کے متعلق درج ذیل باتیں کہی ہیں:۔

(۱) عورت کی تعداد مرد کے مقابلہ میں زیادہ ہو

(۲) بڑائی کی علامت کے طور پر

(۳) خاندان بڑا دیکھنے کی خواہش سے

(۴) تربیتِ اولاد کے لئے

ویسٹر مارک Wester Mark ایک عمرانی مفکر وجوہ بتاتا

(۱)۔ دورانِ حمل سے بچوں کا دودھ چھڑانے تک بیوی اس لائق نہیں رہتی کہ اس سے جنسی خواہش پوری ہو سکے اور اتنے عرصہ تک مرد کیلئے اپنی خواہش کو دبانا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے دوسری شادی کی جاتی ہے۔

(۲) عورتیں جلد بوڑھی ہو جاتی ہیں اس لئے۔

(۳)۔ چند قسم کی عورتوں یا بچوں کی خواہش کی وجہ سے۔

(۴)۔ زیادہ بچوں کے لئے تاکہ خاندان بڑا کہلائے

(۵)۔ بڑائی کی علامت کے طور پر جہاں ایک شادی غربت کی علامت ہو

(۶)۔ معاشی ضرورت کے لئے کہ چند عورتیں بہتر طور پر گھر کے کام انجام دے سکیں گی[1]

فائدے عمرانیات میں تعدد ازدواج کے درج ذیل فائدے بتائے جاتے ہیں:۔

(۱) آدمی شہوانی ضرورت کی تکمیل کے لئے ناجائز طریقہ اختیار کرنے سے بچا رہتا ہے۔

(۲) بچے صحتمند ہوتے ہیں۔ خوشحال لوگ متعدد شادیاں کرتے تھے۔ اس لئے بچوں کی پرورش عمدہ طریقہ پر ہوتی ہے۔

(۳)۔ متعدد بیویوں کی وجہ سے بچوں کی دیکھ بھال پرورش اور تربیت اچھی ہوتی ہے[2]

نقصانات اس ضمن میں مندرجہ ذیل نقصانات گنائے گئے ہیں:۔

(۱) خاندان کے سربراہ پر معاشی بوجھ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسے چند بیویوں اور کئی بچوں کی پرورش کرنا ہوتی ہے۔ نتیجۃً وہ چین وسکون سے محروم ہو جاتا ہے

(۲) بچوں کی پرورش صحیح طریقہ سے نہیں ہو پاتی اس لئے کہ وہ

---

[1] P. 292 – 93 An Introduction to Sociology el. V.B.S.

[2] P 293 " " " " "

اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ان کی مناسب دیکھ ریکھ ممکن نہیں۔ (۳) بیویوں اور بچوں میں نفرت، حقارت اور تعصب کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں جو خاندان کی خوشی کو ختم کر دیتے ہیں۔

(۴) ۔ عورتوں کا وقار گر جاتا ہے

(۵) ۔ نئی بیوی کی خاطر پرانی کو نظر انداز کیا جاتا ہے

(۶) ۔ شوہر سبھی کو یکساں محبت و توجہ نہیں دیتا۔ وہ بسا اوقات کسی ایک طرف زیادہ مائل ہوتا ہے (۷) والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اس لئے کہ اولاد ان کی مناسب فکر نہیں کرتی ہے۔

فائدے اور نقصانات کی اس مذکورہ بالا فہرست سے یہ تاثر ملتا ہے کہ تعدد ازدواج واقعی ایسی چیز ہے جس پر پابندی ہونی چاہئے لیکن آئیے ذرا واقعات کی دنیا پر نگاہ ڈالیں کہ کیا صورت حال کچھ ایسی ہی ہے؟ جب ہم اس پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بالکل برعکس ہے

ضرورت اور سماجی اہمیت

اس کی سماجی اہمیت و ضرورت بہت ہی زیادہ ہے اور نقصانات فائدے کے مقابلے میں بہت ہی کم ہیں

(۱) انسانوں کا جسمانی مطالعہ بتاتا ہے کہ مرد میں شہوانی قوت عورت کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ وہ فطرتاً چند بیویوں کا محتاج ہوتا ہے۔ بغیر اس کے اس کی جنسی تسکین نہیں ہو سکتی۔ ایسے بہت سے معاملات سامنے آئے ہیں جن میں عورت مرد کی طرف سے کی گئی جنسی ظلم و زیادتی کی وجہ سے طلاق کی درخواست کرتی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک عورت سے مرد کی جنسی تسکین نہیں ہو سکتی۔

(۲) مرد و عورت کے ایک جنسی تعلق کا اثر عورت پر نو ماہ تک باقی ہوتا ہے جبکہ مرد بالکل متاثر نہیں ہوتا۔ ایام حمل سے بچوں کا دودھ چھڑانے تک عورت اس لائق نہیں رہتی کہ مرد اس سے جنسی تعلق قائم کرے اور یہ عرصہ کافی طویل ہوتا ہے کہ مرد کے لئے اتنے دنوں تک اپنی ضرورت کو دبائے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ جائز طریقہ سے اپنی تسکین کے لئے دوسری شادی کرے

(۳) مرد ہر وقت اپنی جنسی ضروریات پوری کرنے کی طاقت رکھتا ہے جب کہ عورت مہینہ میں کم از کم تین سے دس دن تک اس لائق نہیں رہتی کہ اس سے جنسی تعلق قائم کیا جا سکے۔

(۴) بعض عورتیں اس لائق نہیں ہوتیں کہ ان سے جنسی قربت حاصل کی جا سکے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:۔

(الف) وہ بہت بوڑھی ہو گئی ہوں۔ (ب) ان کو کوئی پرانا یا خطرناک مرض ہو۔ (ج) وہ بانجھ ہوں (مرد صرف جنسی تسکین ہی تو نہیں چاہتا اس عمل کے ذریعہ بچہ کی خواہش بھی مقصود ہوتی ہے) اس لئے وہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ کیا کرے؟

ان صورتوں میں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرے یا اپنی بیوی کو رکھے اور ناجائز طریقوں سے اپنی جنسی تسکین کرے۔ جیسا کہ بے راہ روی کا تقاضہ ہے۔ یہ دونوں طریقے غیر انسانی اور ناانصافی پر مبنی ہیں کیونکہ ایک طرف تو ناجائز بچے پیدا ہوں گے جو لاوارث ہوں گے اور بڑے ہو کر مجرم بنیں گے تو دوسری طرف خطرناک بیماریاں آدمی کو گھن لگا دیں گی۔ سب سے بہتر یہی صورت ہے کہ وہ اپنی بیوی کو رکھتے ہوئے دوسری شادی کر لے۔

(۵) بعض علاقے ایسے ہوتے ہیں جہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں:۔

(الف) عورتوں کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہو۔ (ب) جنگ یا فسادات کے نتیجہ میں مرد بڑی تعداد میں مارے جائیں جیسا کہ دو عالمگیر جنگوں کے درمیان دیکھا گیا اور ہر [illegible] جنگ میں طوفان [illegible] یہ مسئلہ درپیش ہو سکتا ہے۔ ان صورتوں میں بھی تعدد ازدواج ہی اس مسئلہ کا واحد حل ہے جس سے عورتوں کو معاشی و سماجی سہارا ملے گا اور ان کے ان بچوں کی مناسب پرورش ہو سکے گی جو پہلے شوہروں سے ان کے پاس ہیں ورنہ وہ اپنی معاشی

۱؎ P. 293 An Introduction to Sociology K.B.S.

وجنسی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے نامناسب راستے اختیار کریں گی جس سے سماج میں بگاڑ پھیلے گا۔

(۶) بعض سماج میں بیوائیں، طلاق یافتہ اور ایسی عورتیں جو مالدار اور خوبصورت نہ ہونے کی وجہ سے شادی نہ کر سکی ہوں اور انکی عمر بھی زیادہ ہوگئی ہو، ہوتی ہیں اسلئے کہ اکثر لوگ مالدار، خوبصورت اور کنواری عورتوں سے شادی کرنا پسند کرتے ہیں۔ ایسی عورتوں کا کسی غیر شادی شدہ شخص سے شادی کی توقع رکھنا عبث ہے۔ صرف شادی شدہ، نیک صفت لوگ ہی انھیں قبول کر سکتے ہیں۔ اس سماجی مسئلہ کا حل بھی صرف تعدد ازدواج ہی ہے۔ ورنہ وہ ناجائز طریقے اختیار کرنے کیلئے مجبور رہیں گی۔

(۷) اکثر والدین اپنی بچیوں کی شادی ایسے شخص سے کرنا پسند کرتے ہیں جو با کردار ہو گرچہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی زندگی کے چکر میں بچیاں یا تو ایسے شوہروں کے حوالے ہوں گی جو بے کردار ہوں یا یوں ہی کنواری دھری رہیں۔ ان دو ناخوشگوار صورتوں کے بجائے تعدد ازدواج ہی واحد مناسب صورت ہے۔

(۸) بعض علاقے ایسے ہیں جو بہت ہی پسماندہ اور غریب ہیں۔ وہاں عورتیں خود یہ چاہتی ہیں کہ انھیں کوئی مضبوط سہارا ملے اسلئے وہ ایسے شادی شدہ شخص سے شادی کرنا لیا وہ پسند کرتی ہیں جو ذرا خوشحال ہو بہ نسبت اس کے جو غیر شادی شدہ اور کنگال ہو۔

(۹) ایک خوشحال شخص جو چند عورتوں کو کامیاب اور خوشگوار زندگی بخشنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس کا سماج میں ایک نمایاں مقام ہوتا ہے، اس کی موت کے بعد اسکی دولت مختلف بیویوں کے ذریعہ مختلف خاندانوں میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے دولت کا ارتکاز ختم ہوتا اور مناسب تقسیم عمل میں آتی ہے۔

(۱۰) بعض مرتبہ ایک زندگی میں ایسی الجھنیں ہو جاتی ہیں کہ زندگی عذاب بن جاتی ہے اور اس کا حل سوائے دوسری شادی کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ ہیں وہ سماجی ضروریات اور سماجی اہمیت تعدد ازدواج کی جن کا حل اور بدل سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ اب آئیے ہم دیکھیں کہ اس اہم مسئلے سے متعلق لوگوں کی رائیں اور ان کا رویہ کیا ہے۔

تعدد ازدواج پر عمل اور اسکے متعلق رائیں

آج کل عموماً تاثر دیا جاتا ہے کہ صرف اسلام اس طریقہ کا حامی ہے اور صرف مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں، بقیہ کوئی مذہب، کوئی ازم اسے پسند نہیں کرتا لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے سماجی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف مذاہب کے لوگوں میں یہ طریقہ جاری رہا ہے اور اسے مذہب بنا کر اپنایا گیا ہے بلکہ اسکی تبلیغ بھی کی گئی ہے۔

ہندوازم اسے بالکل ممنوع قرار دیتا ہے لیکن ہندوستان کا ایک سماجی سروے کے مطابق ہندوؤں میں تعدد ازدواج کی شرح پانچ اعشاریہ آٹھ فی ہزار ہے، جب کہ مسلمانوں میں یہ تناسب صرف چار اعشاریہ دو فی ہزار۔[۱]

مغرب میں بھی اسے ظالمانہ اور غیر انسانی طریقہ تصور کیا جاتا ہے اور سماج کیلئے تعصبات وہ قرار دیا جاتا ہے لیکن جنسی تسکین کے لئے ان کے ذرائع کیا ہیں۔ یہ کسی صاحب علم شخص سے مخفی نہیں۔

قدیم فیوڈل سماج میں عام طور پر اس طریقے پر عمل کیا جاتا تھا اور اس سلسلے میں ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں بھی اسکی اجازت ملتی ہے۔ انکی مذہبی کتابوں کے مطابق اکثر پیغمبروں کی متعدد بیویاں تھیں۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، کئی کئی بیویاں رکھتے تھے۔ اگر تعدد ازدواج کوئی غیر اخلاقی اور ظالمانہ چیز ہوتی تو یہ پیغمبر ہرگز اس کے مرتکب نہ ہوتے۔

بائبل میں ہے کہ بادشاہوں کیلئے اٹھارہ اور عام آدمیوں کے لئے چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ یہودیوں کی طرح عیسائیوں کے یہاں بھی اس کا رواج تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں کی شریعت کی اصلاح تو کی لیکن احکامات میں تبدیلی نہیں کی۔ گرچہ یہودیوں اور عیسائیوں

---

[۱] حال ہی میں ایک غیر مسلم نے دہلی ہائی کورٹ سے اپیل کی ہے کہ اسے دوسری شادی کی اجازت دی جائے کیونکہ پہلی بیوی سے بناؤ نہیں ہے اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔

نے بڑھانے تعصب اس پر پابندی لگائی ہے مگر آج بھی بعض جگہوں میں وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ Western Mores کے مطابق گرچہ بائبل کی مذہبی کتاب میں یک زوجگی کو شادی کا ایک معتدل اور مثالی طریقہ بتایا گیا ہے تاہم تعدد ازدواج پر اس میں بھی پابندی نہیں ہے۔ غرضیکہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس طریقہ کو اپنایا گیا۔ ان دونوں مذاہب کی نمایاں اور مقتدر ہستیوں کی مثالیں تاریخ کے اوراق میں آج بھی محفوظ ہیں۔

ابراہیم لنکن جو عیسائی تھا اسکی دو بیویاں تھیں۔ لوتھر نے کئی موقعوں پر یہ اعلان کیا کہ تعدد ازدواج خدا کی طرف سے ممنوع نہیں ہے"۔ کبھی یہ کہا گیا کہ چند خاص حالات میں اسکی اجازت ہے۔ اگر کوئی عیسائی ایسا کرنا چاہتا ہے تو اسے ثبوت پیش کرنا ہوگا کہ اس کے ساتھ بھی وہ حالات ہیں۔ اس طرح عیسائیوں کے مختلف طبقوں نے اس کی خوب خوب وکالت کی ہے۔ سنہ ۱۵۳۱ء میں یہ اعلان ہوا کہ ایک سچے عیسائی بننے کیلئے کئی شادیاں کرنا ضروری ہے۔ سنہ ۱۶۵۰ء میں تیس سالہ جنگ کی وجہ سے جب آبادی کافی گھٹ گئی تو ایک قرارداد پاس کرکے کہا گیا کہ ہر شخص کم از کم دو شادیاں ضرور کرے۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ واضح ہو گیا کہ صرف اسلام ہی تعدد ازدواج کی اجازت نہیں دیتا ہے اب دیکھیں کہ اسلام کی ہدایات اس سلسلے میں کیا ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت سے اس کی اجازت ملتی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ [۱]

(اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے جنہیں تم مناسب سمجھو شادی کر لو دو سے، تین سے، چار سے)

یہ اجازت ایک خاص حالت میں ملی۔ جنگ کے نتیجہ میں بہت سے افراد شہید ہو گئے اور بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کا مسئلہ درپیش ہوا تو شریعت نے تعدد ازدواج کی اجازت دی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف اسی حالت میں اسکی اجازت ہے بلکہ اسے ایک نمونہ حالت قرار دیکر یہ اجازت دی گئی کہ جب کبھی سماج میں اس قسم کا مسئلہ درپیش ہو جسکی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں جیسا کہ اسباب کے ضمن میں عرض کیا گیا۔ تو اس وقت اسکی اجازت ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام اسکی اجازت دیتا ہے فرض قرار نہیں دیتا اور یہ اجازت بھی چند شرائط کیساتھ ہے۔ جو لوگ تعدد ازدواج کو غیر انسانی وظالمانہ فعل بتاتے ہیں۔ ان کے سامنے وہ حالات و شرائط نہیں ہیں جنہیں اس کی اجازت ہے۔ غیر جانبدارانہ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ طریقہ عین انسانی فطرت کا مطالبہ اور چند مخصوص سماجی تمدنی حالات کا تقاضہ ہے۔

اسلام نے ان گنت شادیوں کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ اسے چار تک محدود کر دیا۔ جس کی بڑی مصلحتیں ہیں۔ اس سلسلے میں مزید ہدایت دی گئی۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً کہ اگر تمہیں اس کا اندیشہ ہو کہ تم بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو۔ یہ سب سے اہم اور بنیادی شرط ہے جس کے موجود نہ ہونے سے غیر انسانی وظالمانہ فعل کہا ہی نہیں جا سکتا کہ بیویوں کے درمیان مساوات کا سلوک و برتاؤ کرنا ضروری ہے۔ مساوات کے متعلق مزید یہ ہدایت آئی۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ [۲]

اور تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اپنی خواہش کے باوجود بیویوں میں مکمل مساوات کرو تو ایسا نہ ہو کہ تم کسی ایک طرف اس طرح جھک جاؤ کہ دوسری کو بیچ ہی میں چھوڑ دو۔ (بلکہ انہیں بھر عدل و مساوات کی کوشش کرو۔ مکمل مساوات تو تم سے ممکن ہی نہیں۔

[۳] بعض لوگ اس آیت کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے تعدد ازدواج کو Discourage کیا ہے۔ لیکن یہ یا تو قلت فہم کا نتیجہ ہے یا معاندانہ

---

۱ سورۃ النساء، آیت ۳

۳ ڈاکٹر اقبال احمد، [illegible] Polygamy in Islam [illegible] (A.M.U. Aligarh) [illegible]

۱ سورۃ النساء، آیت ۳

۲ ایضاً آیت ۱۲۹

انداز تفسیر یہاں سخت گیری کی کوئی بات ہی نہیں ۔ یہ ایک نفسیاتی گرہ کا اظہار ہے اور اس کے ضمن میں مزید کچھ وضاحت ہے ورنہ اگر سخت گیری مقصود ہوتی تو اولاً اس کی اجازت بے معنی ہوتی دوسرے یہ کہا جاتا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کو اختیار ہی مت کرو لیکن ایسا نہیں کہا گیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں سخت گیری مقصود نہیں بلکہ انداز کلام یوں ہے کہ "تمہاری فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ تم ایسا نہیں کر سکتے اس کم از کم ایسا تو نہ کرو"۔

قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر عورتوں کے ساتھ انصاف و مساوات کے برتاؤ کی تاکید ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے "جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں میں مساوات نہ کرے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ گھسٹ رہا ہوگا"۔ اس قدر سخت تنبیہ کے بعد بھلا کسی مسلمان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بیویوں میں مساوات نہ کرے گا۔ اس حدیث کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہی تعدد ازدواج کی سخت گیری ہے کیونکہ دو یا چند بیویوں میں مساوات ناممکن ہے۔ یہ خیال اسلئے صحیح نہیں ہے کہ اسلام ایک قابل عمل دین ہے اور وہ اپنے پیروؤں کو ان باتوں کا حکم دے ہی نہیں سکتا جو ناممکن العمل ہوں اگر مساوات ناممکن ہوتی تو اسے بالکل منسوخ قرار دے دیا جاتا دوسرے یہ کہ قرن اول کے مسلمان جن کا ایمان شک و شبہ سے بالاتر تھا، تعدد ازدواج پر عمل پیرا تھے۔ اگر وہ مساوات نہ کر سکتے ہوتے تو پیغمبر انہیں ضرور تنبیہ کرتے۔ یہاں یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس زمانے کے مسلمان ایسا کر سکتے تھے آجکل کے مسلمانوں سے یہ ممکن نہیں۔ انسانی فطرت ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ اگر اس وقت یہ ممکن تھا تو آج کیوں نہیں ہو سکتا۔ مزید براں آج کی بنیاد تو انصاف و مساوات کی زیادہ علمبردار ہے۔ پھر اتنی سی بات کیوں ناممکن ہو جائیگی کہ بیویوں میں انصاف و مساوات کا سلوک کیا جائے۔

یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے کہ مسلمان جس آیت کو تعدد ازدواج کی اجازت کی بنیاد مانتے ہیں، وہ در اصل اسے محدود کرنے اور رفتہ رفتہ اس رواج کو ختم کرنے کیلئے نازل ہوئی۔ قرآن کا ادنیٰ طالب علم جو سیاق و سباق کا علم رکھتا ہے اس دعویٰ کو فضول و مہمل سمجھے گا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ تعدد ازدواج میں بہت سارے فوائد کے ساتھ نقصانات بھی ہیں۔ لیکن اولاً فوائد کے مقابلہ میں نقصانات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ثانیاً اسلام نے جن ایسی شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے کہ نقصانات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ثالثاً یہ کہ اسلام کا یہ عام اصول ہے کہ دو نقصاندہ چیزوں میں اسے اختیار کیا جائے جس میں کم نقصان ہو۔ ایک طرف تعدد ازدواج ہے جو جنسی تسکین کا جائز اور مثبت طریقہ ہے اور دوسری طرف گوشتوں کو آباد کرنا ہے۔ جو صحت و سماج کیلئے سم قاتل ہے۔ ایک صاحب عقل انسان کسے ترجیح دیگا کسی سے مخفی نہیں۔

تعدد ازدواج کی سماجی اہمیت اور اسلامی ہدایات سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو گئی کہ یہ چیز چند حدود میں رہتے ہوئے کسی بھی سماج کیلئے کتنی اہم اور ضروری ہے اور اس پر پابندی کس قدر نقصانات کی حامل ہے۔ آئیے اب ذرا ان اعتراضات کا جائزہ لیں جو اس ضمن میں کئے جاتے ہیں کہ ان میں کتنا وزن ہے تاکہ اس مسئلہ کا ہر پہلو نکھر کر سامنے آ جائے۔

(باقی آئندہ)

شعری اقدار کی تلاش کی ضرورت ہے۔ کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسلم لیکن ان ساری خوبیوں کے باوجود بعض جگہوں پر کلیم الدین احمد کے لئے جو زبان استعمال کی گئی ہے اس سے خود مصنف کے سنجیدگی پر حرف آتا ہے۔ بعض جملے یا اشعار مختلف اور سنجیدگی پر حرف آتا ہے۔ بعض جملے یا اشعار مختلف پر بار بار استعمال ہونے کی وجہ سے طبیعت پر گراں گذرتے ہیں۔ لطیفے سازی اور جملے بازی بھی سنجیدہ علمی فضا کو متاثر کرتی ہے۔ اس طرح کے اقتباسات اور جملوں پر عیاں کتاب سے کوئی سو صفحات اگر خارج کر دئے جائیں تو اس کی علمی اور تنقیدی حیثیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور قاری کے وقت اور پیسے دونوں کی بچت ہوگی۔

کتاب کے مباحث کو دیکھتے ہوئے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ یہ تصنیف اقبال کے تقابلی مطالعے میں اور رومانی ادب میں مقام اقبال کے تعین میں سنگ میل ثابت ہوگی۔ نیز ایک نئی جہت سے اقبالیات کے مطالعے کی تحریک مل سکے گی۔

سید راشد علی

اسلام میں کامیابی کا تصور

اسلام میں حکومت و اقتدار کی اہمیت

اسلام دین و امر مسلم ہونے کے باوجود کہ اسلام میں تخت و تاج، حکومت و اقتدار مقصود بالذات نہیں یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل صورت میں موجود ہے کہ اسلام کے احکام و قوانین کا پورا نفاذ حکومت کے بغیر ناممکن ہے جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ سلطان کے ذریعہ ان چیزوں کا سدباب کرتا ہے جن چیزوں کا سدباب قرآن سے نہیں کر سکتا

سورۃ بنی اسرائیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا نقل کی گئی ہے۔

"اور تو مجھ کو اپنی جانب سے ایسا اقتدار بخش دے جو میرا مددگار ہو۔ آیت ۸۰"

یعنی یا تو مجھے با اقتدار بنا دے یا کسی اقتدار کو میرا مددگار بنا دے تاکہ میں تیرے نظام عدل و انصاف کو دنیا میں غالب کر سکوں۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا۔ اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ حدید - ۲۵

یہاں کتاب سے وہ تمام تعلیمات مراد ہیں جو نوع انسانی کی ہدایت کیلئے درکار ہیں۔ اور میزان سے مراد وہ سیاسی، سماجی، معاشرتی اور اقتصادی احکام و قوانین ہیں جو افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال کا مکمل نمونہ ہیں اور حدید سے سیاسی و جنگی طاقت و قوت مراد ہے جیسا کہ مولانا مودودی علیہ الرحمۃ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام کے مشن کو بیان کرنے کے معاً بعد یہ فرمانا کہ ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑا زور اور لوگوں کے لئے منافع ہیں" خود بخود اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی جنگی طاقت ہے اور کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کو قیام عدل کی محض اسکیم پیش کر دینے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں شامل تھی کہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ قوت فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل و انصاف قائم ہو۔ اسے درہم برہم کرنے والوں کو سزا دی جا سکے اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جا سکے" ان قرآنی اور تاریخی استشہاد کے باوجود کوئی شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو اہم مقامات پر اس بات کی بشارتیں دی گئی ہیں کہ دنیا میں مومنین و صالحین اور دعوت اسلامی کا کام کرنے والوں ہی کو کامیابی نصیب ہوتی ہے لیکن مدت عمر کی زندگی میں اس کے برعکس مشاہدات سامنے آتے ہیں وجہ

کہ تحریک اسلامی کا کام کرنے والے عمر بھر شہادتِ حق کے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف رہتے ہیں اور مر کے مر جاتے ہیں لیکن نظامِ اسلامی کا قیام و نفاذ تو در کنار کوئی ان کی دعوت و پکار سن کر بھی نہیں دیتا بھی نہیں بلکہ انہیں قدم قدم پر مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، قید و بند دار و رسن کی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے، اسکا خاندان، اسکی قوم اور باطل حکومتیں اس کی اور اس کے ساتھیوں کی جان کے درپے ہو جاتی ہیں۔

ان سب سوالات کے جوابات میں انشاء اللہ بالترتیب دینے کی کوشش کروں گا۔ در اصل تحریک اسلامی ایک مکمل نظامِ حیات کی دعوت سے کر اٹھتی ہے، اس لئے اس کو معاشرے میں جو مکمل ذہنی ترقی پڑتی ہے۔ ایک طرف اس کا مقصد معاشرے کی برائیاں مثلاً فحاشی اور بے حیائی کو روک دینا ہوتا ہے تو دوسری طرف باطل کے رو برو نظامِ حکومت سے ٹکر لینی پڑتی ہے کیونکہ باطل کبھی اس بات کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی توحیدِ خالص کی دعوت دے اور جس کا نتیجہ اس کے حکومت و اقتدار کے لئے چیلنج کا باعث بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک اسلامی کو بہت سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور پھر یہ کہ کامیابی کو مہینوں اور سالوں سے نہیں بلکہ معاشرے میں کئے گئے کام کی نسبت سے جانچا جاتا ہے مثلاً حضور ﷺ کو اپنے معاشرے میں کارکنوں کی اتنی بڑی تعداد مل گئی کہ وہ تیرہ سال کی مدت کارکردگی کے بعد باطل نظام پر ضرب کاری لگانے کے قابل ہو گئے لیکن حضرت نوحؑ کو ۹۵۰ سال معاشرے میں جدوجہد کرنے کے باوجود بھی اتنی افرادی قوت حاصل نہ ہو سکی کہ وہ نظامِ باطل پر آخری ضرب خود لگا سکتے اور پھر یہ صرف دعوتِ اسلامی ہی کیلئے مخصوص نہیں بلکہ باطل تحریک کے داعیوں کو بھی انہی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے چنانچہ مارکس نے ۱۸۴۸ء میں اشتراکی منشور پیش کیا تھا لیکن اس کی یہ تحریک پورے ۷۰ سال بعد اس قابل ہو سکی کہ وہ معاشرے میں بزورِ تشدد اور دہشت، دھوکہ دہی کے ذریعہ حکومت و اقتدار پر قابض ہو سکا اور پھر اس کو بھی کامیابی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اسے اپنے بنیادی اصولوں میں کس قدر تخفیف کے بعد یہ کامیابی نصیب ہوئی تھی۔

آزمائشیں ناگزیر ہیں

دینِ اسلام سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والا اور حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اور تاریخِ اسلامی کے مراحل سے آگاہ کوئی شخص حقیقت کو بخوبی جانتا ہے کہ اسلامی تحریک کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں بلکہ آزمائشوں، دشواریوں اور مصائب و مشکلات سے بھری پر خطر راہ ہے۔ اس راہ میں مشکلات و مصائب کا آنا لازمی ہے یہ خدا کا قانون ہے۔ کہ جب کبھی دنیا میں خدا کسی قوم کو عظمت و رفعت سے نوازنا چاہتا ہے تو پہلے ان کے صبر کا امتحان لیتا ہے جب وہ اس امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو خدا انہیں حکومت و اقتدار سے سرفراز کرتا ہے قرآن مجید میں خدائے تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:-

"ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے مجاہدین اور ثابت قدموں کو جان لیں اور جانچ لیں تمہارے حالات کو"

مولانا [illegible] خدا کے اس قانون کو یوں بیان فرماتے ہیں:-

"اب ہم پر غور کرو تو قوموں کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب بخشی پہلے ان کے صبر کا امتحان لیا اور جب وہ اس امتحان میں پوری اتریں تو انہیں عظمت و رفعت کے آسمان پر ان کو سرفراز فرمایا اور ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ اگر کوئی عظیم الشان بلند عمارت تعمیر کرنی ہو تو اس کے لئے سب سے پہلے سخت زمین کی تلاش ہوتی ہے جس پر ایسی مضبوط بنیاد قائم کی جا سکے چنانچہ اللہ نے ہمیشہ قوموں کے انتخاب کے معاملہ میں ایسا ہی کیا ہے پہلے انکو مصائب و شدائد سے آزمایا ہے جب وہ اس امتحان میں پکی ثابت ہوئی ہیں تب اپنی امانت ان کے حوالے کی ہے۔"

ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک کی اسلامی تاریخ اس بات
پر شاہد ہے کہ جب کبھی توحید خالص کی دعوت دی گئی وقت کے
خداؤں کی پیشانیوں پر بل آگئے۔ انبیاء و مرسلین کو قید و بند کی آزمائشوں
میں ڈالا گیا۔ دار و رسن پر لٹکایا گیا لیکن وہ صبر و استقامت کے ساتھ
مسلسل دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے یہاں تک کہ خدا نے اپنا
وعدہ پورا کر دکھایا۔

فرعون نے جب حکومت و اقتدار کے زعم میں موسیٰ علیہ السلام
اور ان کی قوم پر مصائب کے پہاڑ توڑنے شروع کئے تو موسیٰ نے
انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا

"خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو زمین تو خدا
کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا
دیتا ہے اور انجام کار ڈرنے والوں کے ہاتھ میں ہے" (اعراف ۱۲۸)

اور جب خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور مصر کی
دیے کس قوم کو مشرق و مغرب کے خزانے بخش دیئے اور فرعون
اور اس کی قوم کو نیست و نابود کر دیا تو اس استحقاق نعمت کی وجہ
بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"اور ہم نے اس قوم کو جو کمزور سمجھی جاتی تھی
اس زمین کے پورب اور پچھم کا وارث بنا دیا
جس میں ہم نے برکت دی ہے اور اللہ کی اچھی بات
بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی بنا پر پوری
ہوئی"

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دعوت اسلامی
کا راستہ بہت صبر آزما اور طویل ترین راستہ ہے یہ راہ بہت ہی پُرخطر
اور سنگلاخ ہے اسلامی تحریک کے کارکن اس بات کو ہمیشہ پیش نظر
رکھتے ہیں حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ ان مصائب و مشکلات
اور ابتلاء و آزمائش کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:-

"وہ وقت ہوگا جب تم ابتلاء و آزمائش
کے دور میں داخل ہوگے تمہاری گرفتاریاں ہونگی
تمہارے تبادلے کئے جائیں گے دور دراز علاقوں
میں پھینک دیئے جاؤ گے گھروں کی تلاشیاں لی جائیں
گی۔ دار و رسن کی دھمکیاں دی جائیں گی اور ممکن ہے کہ
ابتلاء و آزمائش کی یہ مدت کافی طویل ہو حق کے علمبرداروں
کی راہ میں اس منزل کا آنا ناگزیر ہے اس سے ہر کو ہمیشہ ہی گزرنا
پڑا ہے۔ مجاہدین و انبیاء و صالحین کی تاریخ اس پر گواہ
ہے لیکن اللہ کا وعدہ ہے وہ بالآخر مجاہدین کی مدد فرمائیگا"

اللہ اپنے مخلص بندوں کو آزمائشوں کے ذریعے
آزماتا ہے کیوں کہ زبانی دعووں میں تو منافقین بھی کسی
سے کم نہیں بلکہ مومنین سے دو ہاتھ آگے ہی ہوتے ہیں۔ قرآن مجید
میں فرمایا گیا:-

"کیا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یوں ہی داخل
ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات تو گزرے ہی نہیں
جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکے ہیں ان پر
سختیاں اور مصیبتیں آئیں تو وہ ہلا مارے گئے
یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے
کب آئیگی اللہ کی مدد؟ سنو اللہ کی مدد قریب ہی
ہے" (بقرہ ۲۱۴)

اس راہ میں مصائب کا آنا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہمیشہ
سے خدا کا قانون رہا ہے کہ وہ آزمائشوں میں ڈال کر کھرے کھوٹے
مومن اور منافق کے فرق کو واضح کرتا ہے فرمایا گیا۔

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہ کہنے پر چھوڑ دیئے
جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہ جائیگا۔ حالانکہ
ہم نے ان سب لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے
گزرے ہیں تاکہ اللہ یہ جان لے کہ سچے کون ہیں اور
جھوٹے کون" (عنکبوت ۲-۳)

اس راہ میں مومنین جن آزمائشوں سے دوچار کئے جاتے
ہیں ان کا ذکر خود قرآن مجید نے کیا ہے:

"ہم تم کو خوف و خطر اور فاقوں اور تمہارے مال و جان
اور پیداوار کے نقصان کے ذریعے آزمائیں گے اور

اے نبی! ان لوگوں کو کامرانی کا مژدہ سنا دو جو ان کو صبر و ضبط سے برداشت کریں" (بقرہ ۲۱۰)

ان آیات کی تلاوت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تحریک کن جاں گداز اور صبر آزما مراحل آزمائشوں، فتنوں نیز اقتصادی و دیگر مالی و جانی پریشانیوں اور نقصانات سے ہو کر گزرتی ہے اسلامی تحریک کے کارکن جن مصائب سے دوچار ہوتے ہیں ان کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جو ایک الگ بحث کی متقاضی ہے

ان تمام تصریحات و تشریحات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ اسلام کے احکام و قوانین کو عملی طور پر نافذ کرنے کیلئے حکومت و اقتدار ناگزیر ہے اگر مومنین و مصلحین ان سنگلاخ راستوں کو طے کرتے ہوئے منزل پر پہونچ جاتے ہیں تو یہی ان کی کامیابی مقدر ہے لیکن بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ انہیں دنیا میں کامیابی نصیب نہ ہوئی تو آخرت کی کامیابی تو بہر حال ان کو ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ وہی اصل کامیابی اور فائز المرامی ہے

بقیہ: افغانستان کی موجودہ صورتحال۔

فوج کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ ہی سے لے رکھے ہیں۔ اس کنٹرولنگ اتھارٹی کے قائم کرنے کا مقصد فوج کے خلقی عناصر کو قابو میں رکھنا ہے۔

(۳) قائم مقام وزیر دفاع جنرل قادر پرچمی ہونے کے باوجود افغان افسروں کے اس مطالبے کی مخالفت نہیں کر سکے ہیں کہ اقتدار خالصتًا فوج کے حوالے کر دیا جائے۔

(۴) ببرک کارمل اپنے بھائی محمود بریالی (سابق سفیر پاکستان) کو آگے بڑھا رہا ہے۔ اسے بیرون کابل کی مقامات پر مسائل کا موقع پر فیصلہ دینے کے لئے بھیجا گیا جن میں قندھار کے علاوہ شمالی صوبے بھی شامل ہیں۔

جولائی اور اگست کے ان دو مہینوں کی مجموعی صورتحال کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ روسی فوجی حکام نے پغمان اور پنجشیر میں جو محدود فتح حاصل کی تھی، وہ ختم ہو چکی ہے۔ کابل صوبہ [illegible] پغمان سے روسی/کارمل انتظامیہ کو [illegible]

بقیہ: اخوان المسلمون

۲۔ اخوان المسلمون ۔ تاریخ، دعوت، خدمات۔
از خلیل احمد حامدی
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور

۳۔ اخوان المسلمون
از احمد شوقی زکی
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

۴۔ اخوان المسلمون کا تربیتی نظام
از علامہ یوسف القرضاوی
ہندوستان پبلی کیشنز دہلی

۵۔ فی آفاق التعالیم
از سعید حوی
دار القرآن الکریم پوسٹ بکس ۶۴۹۲ بیروت

۶۔ المدخل الی دعوة الاخوان المسلمین
از سعید حوی
الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیة
کویت

۷۔ تذکرة الدعاة
از البہی الخولی
الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیة
کویت۔

کوہستان کا پنجشیر افغان قومیوں کے مرکز کا دروازہ بن چکا ہے۔ قندھار کے قریب پنجوائی میں دو جھڑپوں کے موقع پر روسی فوج کو خود مقابلہ اٹھانا پڑا۔ دارالحکومت کابل سمیت سب بڑے شہر چھاپہ ماروں کی آماجگاہ ہیں۔ مجاہدین کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرنے کی سازش ناکام ہو چکی ہے روسی فوج اور کارمل انتظامیہ کہیں بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکی ہے۔ مجاہدین کے حوصلے بلند ہیں اور حالات انہیں اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کو [illegible] کرنے کیلئے جاذب(؟)

(بشکریہ جنگ لندن)

دینی انحراف — آج کا سب سے بڑا خطرہ

مغربی جرمنی کی تحریک اسلامی کے سالانہ اجتماع سے عالم اسلام کے ممتاز رہنما پروفیسر خورشید احمد کا خطاب

انجمن کے سالانہ اجتماع میں مذاکرے کا ایجنڈا

آپ کے سامنے تین کام ہونے چاہئیں۔ سب سے پہلا کام یہ ہو کہ آپ کی اپنی اصلاح۔ دین سے آپ کا رابطہ، دین کا علم، دین پر عمل اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں تک دین کی اور تحریک کی دعوت کو پہنچانا اور انہیں اس جدوجہد میں شریک کرنا۔ یہ آپ کی پہلی ذمہ داری ہو اور آپ کے کام، آپ کی تنظیم اور آپ کی سرگرمیاں ان تمام چیزوں میں اس کو مرکزی اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔ دوسرا جو کام آپ کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جو مسلمان یہاں آ گئے ہیں اور دوسرا رُخ یا ہم دوسروں کو مسلمان بنانے کی بات کر رہے ہیں لیکن اس وقت جو خطرہ ہمارے سر پر منڈلا رہا ہے وہ یہ کہ جو مسلمان ہیں، جو کلمہ گو ہیں وہ عملاً دین سے پیچھے جا رہے ہیں۔ اخلاق کے اعتبار سے، تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اور بالآخر عقیدے کے اعتبار سے تو یہ بہت بڑا خطرہ ہے جس کی اگر ہم نے فکر نہیں کی تو ہم اور آپ اس کے لئے مجرم ہوں گے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے یہ ہماری مسئولیت ہے اور میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جہاں یہ مثالیں آپ کو ملتی ہیں کہ کسی دور دراز کے ملک میں ایک مسلمان چلا گیا اور وہاں اس کے گھر سے آبادی کی آبادی اور ملک کے ملک مسلمان ہو گئے۔ سارے مشرقی افریقہ میں، وسطی افریقہ میں، مغربی افریقہ میں۔ بنگلہ دیش، برما انڈونیشیا، ملائیشیا، فلپائن ان تمام مقامات پر اسلام جو پہنچا ہے وہ تاجروں کے ذریعے، صوفیا کے ذریعے، عام انسانوں کے ذریعے پہنچا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دوسری مثالیں ایسی بھی موجود ہیں کہ مسلمانوں کی آبادیاں کی آبادیاں دو اور تین نسلوں کے اندر ختم ہو گئیں۔ لبنان کے لوگ، البانیہ کے لوگ جو امریکہ گئے ہیں، جنوبی امریکہ گئے ہیں آج جا کر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جو دوسری نسل ہے ان کا کوئی تعلق اسلام سے باقی نہیں رہا، نام مسلمانوں کے رہے ہیں اور تیسری نسل میں نام بھی بدل گئے ہیں۔ یہ بڑے خطرات ہیں، خاص طور سے نئی نسلوں کے بارے میں تو ان کو مسلمان رکھنا اور جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ انسانیت کے بارے میں میری مثال ایسی ہے کہ ایک آگ ہے اور لوگ اس میں کودے جا رہے ہیں، میرا عالم یہ ہے کہ میں ان کو کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں تو مجھے بالکل یہی نظر آ رہا ہے کہ یہاں یہ آگ ہے جو ہمارے چاروں طرف روشن ہے اور ہمیں اپنے آپ کو بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی اس آگ سے بچانا ہے۔ تو یہ آپ کی دوسری ترجیح ہونی چاہیے اور تیسری ترجیح آپ کی یہ ہونی چاہیے کہ آپ خود ذریعہ بنیں یا معاون ہوں اس کام کا کہ جرمن مسلمان جرمنی میں اسلام کی دعوت کا مرکز و محور بنیں۔ اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ جس قوم کو بدلنا چاہتا ہے اس قوم میں سے نبی بھیجتا ہے تو اسی سنت اللہ اور سنت انبیاء کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس سرزمین کے

لوگ اسلام کو قبول کر لیا۔ پھر جیسا کہ آپ جانتے ہیں اسلام ان کے ذہنوں اور فکر و عمل کے اندر، اور یہ جو دعوت ہے یہاں پر اسلام کی دعوت اور اسلام کی تحریک کا جرمن معاشرے کے اوپر جو تنقید ایک جرمن مسلمان کر سکتا ہے اور اس کی روشنی میں جس طرح جرمنوں کو اسلام کی طرف لا سکتا ہے وہ ہم اور آپ نہیں کر سکتے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کریں لیکن اس ملک میں مستقبل میں اصل قوت اسلام کو تبھی وقت میسر آئے گی جب جرمن مسلمان اس پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں اور ان کا اپنا حلقہ قائم ہو جائے اور وہاں سے بھی روشنی کی شعاعیں اٹھیں تو یہ وہ تیسرا کام ہے جس کی آپ کو فکر کرنی ہے کہ تھوڑا آپ سے ہو سکیں خود نہ کر سکیں تو اس واسطے سے آپ کر سکیں۔ اور اس پہلو سے جرمن مسلمانوں کی تنظیم کے قیام کو میں بڑا اہم سمجھتا ہوں۔ اسلامک فاؤنڈیشن اس میں بڑی دلچسپی لے رہی ہے۔ بڑی خاموشی کے ساتھ ہم کوئی پروپیگنڈہ نہیں چاہتے، ہم کوئی دعوے نہیں اٹھانا چاہتے لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک مضبوط گروہ ان لوگوں کا بن جائے کہ جن میں ایک طرف دین کا صحیح فہم ہو کہ یہ دین جو ہے گوشۂ خلوت کے ساتھ تعلق رکھنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کو زندگی کا صحیح رہنما اور اسلام جاننے والے ہیں اور پھر وہ یہاں کے حالات کو سامنے رکھ کر اسلام کے کام کو آہستہ آہستہ آگے بڑھا سکتے ہیں۔ یہ تین ترجیحات آپ کے سامنے رہنی چاہییں۔ سب سے پہلی ترجیح کہ آپ اپنی فکر کریں، اپنے ساتھیوں کی فکر کریں، دین کا علم حاصل کریں، اس پر عمل کریں۔ اور قرآن کا ارشاد ہے کہ "اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"۔

دوسری چیز یہ ہے کہ مسلم گروہ جن تک آپ کی رسائی ہو ان میں آپ کام کریں۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ جرمن مسلمانوں تک آپ اس پیغام کو پہنچا سکیں ہو سکتا ہے کہ آپ یہاں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکیں، اس صورت میں اگر آپ نے کچھ بھی کام کیا اور یہاں پر آپ کوئی بیج چھوڑ گئے تو اس کے دیرپا اثرات اور دیرپا فوائد نہیں نکلیں گے؟ تو ان تینوں کاموں کو آپ اپنے سامنے رکھیں، اور مجھے یقین ہے کہ ہم وہ کام ان شاء اللہ اپنا فرض ادا کریں گے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ جس طرح ماضی میں اسلام یہاں پہنچا ہے، اس نے وہاں اپنی جڑیں مضبوط کی ہیں۔ اور

وہاں کے مسافر ہے۔ کو ان نے بالآخر بدلا ہے، خود مشرقی یورپ میں جو اسلام پہنچا ہے کو چند ترک مسلمان تھے جنھیں قید کر لیا گیا تھا اور انھوں نے قید میں اسلام کا آغاز کیا۔ سپین میں تو مسلمان فوجیں آئی تھیں مشرقی یورپ میں تو مسلمان فوجیں نہیں پہنچی تھیں لیکن ان افراد کے ذریعے وہاں اسلام آیا اور آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے سات سو سال سے یہاں اسلام کسی حیثیت سے موجود رہا، اور یوگوسلاویہ میں اس زمانے میں مسلمانوں کی آبادی ۲۲، ۲۳ فیصد تھی۔ اس حیثیت سے میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ بات اپنے سامنے رکھیں اپنی فکر کے اندر، اپنے کام کے اندر، اپنی منصوبہ بندی کے اندر ان تینوں کاموں کی آپ کو فکر رہے۔ اور مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس کام کے اندر برکت دے گا اور آپ ذریعہ بنیں گے یہاں پر دین کی روشنی کو پھیلانے اور اس کے بندوں کو اللہ کے دین کی طرف لانے کا۔

تقریب حلف وفاداری کے بعد خطاب

منتخب ناظم اعلیٰ منتخب ناظمین حلقہ جات، اراکین شوریٰ اور میرے دینی اور تحریکی ساتھیو! ابھی آپ کے سامنے آپ کے ان بھائیوں نے اللہ رب العزت کو گواہ کر کے یہ عہد کیا ہے کہ جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے اسے انجام دینے کے لئے پورے خلوص، پوری محنت، جانفشانی کے ساتھ سعی و جہد کریں گے۔ اسلامی تحریک میں عہدے طلب نہیں کئے جاتے ہیں، اور نہ ان کی خواہش کی جاتی ہے اور حقیقت یہ کہ اگر انسان کو یہ احساس ہو کہ یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے تو وہ اس کے بوجھ سے کانپ اٹھتا ہے۔ یہ کچھ کم نہیں ہے کہ ایک فرد کو اپنے حساب کی، اپنی پوری زندگی کی، اپنی تمام صلاحیتوں کی، جو اللہ تعالیٰ نے ودیعت کی ہیں، جوابدہی کرنا ہوتی ہے یہ چہ جائیکہ اپنی ذمہ داری پر اضافہ کرنا چاہے۔ اپنے دوسرے ساتھیوں اور دوسرے انسانوں کی جوابدہی کی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں پتھر ہوتا۔ کاش میں کسی پرندے کی مانند ہوتا کہ اس کی جوابدہی اور یہ ذمہ داری مجھ پر نہ ہوتی۔ اور میں اس سے بچ جاتا تو اپنے ہوش و حواس میں کوئی شخص اس کام کی نزاکت، اس ذمہ داری کی عظمت، اس جوابدہی کی سختی کو سامنے

رکھتے ہوئے یہ خواہش نہیں کر سکتا کہ اس پر یہ بوجھ ڈالا جائے۔ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں یہ شخص ذمہ داری کے احساس سے مضطرب اور پریشان ہوتا ہے وہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ ایک فرض ہے ہر اس شخص پر جس نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ وہ دین کا یہ کام انجام دے اور اس کام کو انجام دینے کے لئے جو ذمہ داری اس کو سونپی جائے اسے وہ قبول کرے اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے اس سے فرار اس سے بھاگنا یہ بھی اسی طرح نامطلوب ہے جس طرح اس کی حرص اور اس کی خواہش۔ ان دونوں کے درمیان ایک توازن قائم کرنا یہ ہے دراصل ایک مسلمان کا شیوہ۔ اس لئے اگر دنیا کا کوئی فرد دعوت حق کا کام سرانجام نہ دے تب بھی یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اس کام کو سرانجام دوں۔ یہ میرے ایمان کا تقاضہ ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے مجھے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی میسر آسکتی ہے اور صرف میرے اپنے کسی کارنامہ کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل کی بنا پر اور آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو سب سے زیادہ اپنے سے محبوب رکھا یہ وہ بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ کام سرانجام دینے کے لئے منتخب فرمایا ہے اور یہ بڑی لطیف بات ہے جو قرآن پاک ہی میں ملتی ہے کہ دعوت حق کا کام کرنے والے افراد کے لئے وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو انبیاء کرام کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ انبیاء کرام کے لئے اجتباء اور اصطفاء کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ ہم نے انہیں منتخب کر لیا۔ انہیں پسند کر لیا اس کام کے لئے اور یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو دین حق کا کام کرتے ہیں۔ امت مسلمہ کیلئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے تو بلا شبہ انتخاب نام ہے اس بات کا کہ کارکن اپنی قیادت کے اوپر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں لیکن دراصل اس انتخاب الہٰی کا ایک عمل جاری ہو اور جن افراد پر بھی یہ ذمہ داری جس درجے میں پڑتی ہے وہ اتنا ہی اس مقام سے قریب ہوتے ہیں جسے پسند کرنے اور منتخب کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو اس نے اپنے انبیاء کے لئے استعمال کئے ہیں گویا یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے

دعا کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص اور خصوصیت سے ہمارے وہ ساتھی جن پر نظم کا بوجھ اور ذمہ داری پڑتی ہے وہ اس بوجھ کو کامیابی کے ساتھ اٹھائیں اور ان کے ہاتھوں اللہ کا دین پھیلے اور اللہ کی رحمت جنت سے قریب آئیں اور ہم سب کیلئے آخرت کی کامیابی کا سامان ہو سکے۔ اس موقع پر یہ بھی آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جو حلف آپ نے اٹھایا ہے وہ کوئی رسمی چیز نہیں اس میں آپ نے تین بنیادی باتوں کا وعدہ کیا ہے اور انہیں ذہن میں تازہ رکھئے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ تحریک کا اصل مقصد اور پروگرام جو اللہ کے دین کو پھیلانا اور اسے قائم کرنا ہے یہ کام آپ کو ہر دوسرے کام سے عزیز ہونا چاہیئے آپ کی سوچیں۔ آپ کی فکر آپ کی بھاگ دوڑ اس مقصد کے لئے ہونا چاہیئے۔ دوسری بات جس کا آپ نے حلف اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ جو آپ نے اپنا دستور اور اپنا نظام بنایا ہے یہ محض دنیاوی تنظیموں کی طرز کا ایک نظم نہیں ہے یہ ایک اخلاقی اور دینی نظم ہے اس نظم کی اطاعت اور اس نظم کے تقاضوں کو پورا کرنا عبادت ہے جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ علیکم الجماعۃ گویا یہ نظم جیسے حضورؐ کا ارشاد کی روشنی میں بنا ہے وہ اس کا تحفظ اس کو پاک رکھنا اسے اخلاص خلوص اور انداز داعیانہ اس اسپرٹ میں چلانا تو دین کی اسپرٹ ہے ضروری ہے۔ یہ محض ضابطے کی چیز نہیں ہے اس ضابطے کا بھی اہتمام کیجئے۔ اس کی روح عبادت کی محبت کی اور رفاقت کی روح ہے اس کا خیال رکھئے اور تیسری بات جس کا آپ نے حلف اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ جہاں کہیں کوئی خرابی دیکھیں گے آنکھیں بند نہیں کریں گے۔ اس کی اصلاح کی کوشش کریں گے آپ حق بات کے کہنے میں کوئی مداہنت نہیں برتیں گے۔ یہ بات کہ فلاں آپ کا دوست ہے۔ فلاں آپ کا رشتہ دار ہے۔ فلاں آپ کا ساتھی ہے۔ یہ آپ کو اس بات سے روکے گی نہیں کہ کہیں آپ کوئی خرابی یا خامی دیکھ رہے ہیں تو اس کی اصلاح بھی کریں۔ دراصل آپ کے ساتھی آپ کے عزیز اور آپ کے دوست کا حق ہے آپ کے اوپر کہ آپ اس کی خرابی اور خامی کو برداشت نہ کریں بلکہ پیار اور محبت کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ حضورؐ نے فرمایا مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی مدد

بقیہ صفحہ ۲۲

الاستاذ محمد الاباصیری خلیفہ
ترجمہ:- ابوسفیان اصلاحی

مومنین پر نصرت خداوندی

مذہب اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے، وہ حقوق انسانی کا تحفظ کرتا ہے اور زندگی کو وحدانیت کے ذریعہ اسے جلا بخشتا ہے، وہ امر کی اطاعت و وفاداری اور غداری سے باز آجانے پر زور دیتا ہے، وہ شرک اور فسق و فجور سے لوگوں کو میلوں دور رکھتا ہے وہ عدل و انصاف اور نظافت و پاکیزگی کا علمبردار ہے، وہ تعاون علی البر کا داعی ہے، لوگوں کے آپس کے ظلم و زیادتی اور تعاون علی الاثم والعدوان کا سخت مخالف ہے، وہ اپنے پیروکاروں کو اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ صراط مستقیم پر چلیں اور اس پر جم جانے کی دعوت دیں راہ حق کی ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں، علم و معرفت کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے، آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔"

آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دشمنانِ اسلام اور خواہشات نفس کے بندے دعوتِ اسلامی کو دل و جان سے مٹانے کے درپے ہیں، اس کے ہدایت کردہ راستوں پر تنقید کرتے ہیں، اس کی مخالفت مستقل پرچم اٹھاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خداوند قدوس نے مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کی کہ وہ اعدائے اسلام کی طاقت و قوت کو پاش پاش کر دیں اور ان کی خفیہ مجلسوں اور رازدارانہ باتوں کا پتہ لگائیں، انھیں ایک لمحہ بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ سے غافل نہیں رہنا چاہیئے، اس بات کی کوشش کریں کہ سارے عالم میں اس کی حکمرانی ہو، مستشرقین ہر آن اس فکر میں ڈوبے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کا وجود صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جائے، اس کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کرتے ہیں اور موقع ملنے پر تلوار بھی سونت لیتے ہیں، قرآن کریم نے اسکی اپنے لفظوں میں اس طرح تصویر کشی کی ہے "اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ جاری رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پا دیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کافر ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں اور یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔"

دفاعی تیاریاں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین کو اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کی جگہ جگہ تاکید کی ہے، یہ بھی بتایا کہ کفار کے مکر و فریب سے دور رہیں، دفاعی اسلحے تیار رکھیں، قرآن کریم میں آتا ہے "اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور ان کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ہو ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو چیز بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے لئے کچھ کمی نہ ہوگی۔" اللہ تعالیٰ نے صبر و صلوٰۃ کو ایک اہم مددگار بتایا ہے، وہ اسے ثابت قدمی اور استقلال کا پیش خیمہ

قرار دیا ہے اس سے مخالفین کو شکست دینے میں مدد ملتی ہے، خواہشاتِ نفس پر کنٹرول ملتا ہے، غلط وسوسے دب جاتے ہیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس عظیم دولت سے ہمیں نوازا اپنی طرف سے فتح کا وعدہ کیا، اعلاءِ کلمۃ اللہ کے مقدر میں ان کی شکست کو لازم قرار دے دیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا ساتھی ہے، اس کے برعکس جنکے اندر صبر کا دامن چھٹ جاتا ہے وہ جنگوں اور آلام و مصائب کے آن پڑنے پر شل ہو جاتے ہیں نماز مومنین کی طاقت و قوت میں اضافہ کا ایک باعث ہے انھیں تکان اور یاس و قنوطیت سے دور رکھتی ہے، نمازی کے دل میں صرف خوفِ خدا ہوتا ہے، وہ اسکی عظمت و قدرت کا قائل ہے وہی اس کا ماویٰ و ملجا اور مصائب کے وقت مرجع ہے ارشادِ ربانی ہے "اے ایمان والو صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" سیرت پاک کے مطالعہ سے بھی پتہ لگتا ہے کہ مصائب کے آن پڑنے یا آفاتِ سماوی کے نازل ہونے کے وقت آپؐ نماز کا سہارا لیتے۔

مجاہدین کیلئے اجرِ عظیم

اللہ کے کچھ ایسے مخلص اور راسخ العقیدہ بندے ہیں جو دشمنوں کے نرغہ میں آجانے اور مغلوب ہو جانے کے بعد بھی دین و مذہب پر آنچ نہیں آنے دیتے، وہ وطنِ عزیز کی حفاظت اور مدافعت میں آخری قطرہ بھی بہا دینا فخر تصور کرتے ہیں، ایسے بندوں کو دین و دنیا دونوں جگہوں پر اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا، جنت میں طرح طرح کے سامانِ آسائش مہیا کر دیئے گئے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آجائے تو ہم اس کو اجر عظیم دیں گے" جو لوگ راہِ خدا میں جنگ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر لیتے ہیں قرآن کریم ان کے باب میں کہتا ہے کہ وہ باحیات ہیں" اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے" دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے "اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں انکو رزق بھی ملتا ہے" مجاہدین جو عزم و ارادہ سے نوازے گئے وہ جہاد کر کے سکونِ قلب اور سکینت پاتے ہیں، وہ اسلام کی تعمیری خدمات میں پیش پیش رہتے ہیں اگرچہ دنیا کا چین و سکون چھن جائے، وہ جنگوں میں دشمنوں سے چور چور رہتے ہیں اللہ کی راہ میں بے لوث خرچ کرتے ہیں، میدانِ کارزار میں انھیں جو بھی چھوٹی بڑی تکلیف لاحق ہوتی ہے اس پر خداوند قدوس نے ایک عظیم بدلہ دینے کا وعدہ کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش ہیں ان کو زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ زیبا تھا کہ اپنی جان کو انکی جان سے عزیز سمجھیں اور یہ اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غضب ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے اور جو کچھ انھوں نے چھوٹا بڑا خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنا پڑا یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ انکو ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔"

مومن کی آزمائش

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ مومن بندہ کو ابتلاء و آزمائش میں ڈال کر ان کے ایمان و اخلاص کا پتہ لگائے کہ یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں یا ویسے ہی ایمان کا لبادہ رکھا ہے، ارشاد ربانی ہے "اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے مسلمان ہو گزرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو ایمان کے دعوے میں سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا، دوسری جگہ ارشاد ہے "اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم ان لوگوں کو معلوم کر لیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی

جاننا چاہئیں :

خداوند قدوس نے مختلف جگہوں پر یہ بشارتیں بھی دیدی ہے کہ مومنین کو کبھی میدان جنگ میں تو کبھی پرخار وادیوں میں ڈال کر کبھی کساد بازاری سے تو کبھی جانوروں کو لیکر اور کبھی باغات و کھیتیوں کو تباہ کر کے تو کبھی تیز و تند آندھیاں بھیج کر آزمائے گا وہ مومنین جو کذب بیانی سے کام لیتے ہیں ایسے مواقع پر واویلا مچانا شروع کر دیتے ہیں اور جو کھرے اور سچے مومن ہیں وہ جزع و فزع ناشکری یا ایمان کی ضد تصور کرتے ہیں بلکہ ایسے مقامات پر ذرا بھی ان کے پائے استقامت پر لرزش و جنبش نہیں طاری ہوتی قرآن کہتا ہے " اور دیکھو ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف اور فاقہ سے اور مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے " یہ اور اس طرح کی دوسری جلیات اور آیات سعادت کی صرف سرور کائنات اور صحابہ کرام کے ہی عہد تک مخصوص نہ تھیں بلکہ مسلمانوں کو ہمیشہ اس طرح کی مصیبتوں سے واسطہ پڑتا رہے گا کیونکہ اس آیت کریمہ کا اطلاق ہر دور پر ہوتا ہے نہ کہ کسی مخصوص زمانہ پر یہی وجہ ہے کہ یہ بشارت عام کر دی گئی ہے " بشارت سنا دو ان لوگوں کو جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہونگی اور رحمت ان پر سایہ کرے گی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں "

جب امت مسلمہ کے قلوب میں ایمان کی روشنی ہو اور دین اسلام کے باب میں جذبہ صادق ہو اور اللہ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں کی پیروی کرے اور نہایت حسن و خوبی کے ساتھ لوگوں کو اسکی طرف بلائے تو اللہ تعالیٰ ہر قدم **قدم پر اپنی نصرت و مدد کا ہاتھ ان کی طرف اور فوز و کامیابی** اپنے اوپر لے لیتا ہے فتح کا دروازہ ان کے لئے کھلا رہتا ہے اللہ فرماتا ہے " ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا آقا ہے **جو ایمان لائے اور وہ کفار تو ان کا کوئی آقا نہیں ہے** " اللہ تعالیٰ ایسے ایسے وقت اور واسطوں سے بندوں کی مدد کرتا ہے کہ وہ خواب

باخبر ہو جاتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہے " اور تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا " دوسری جگہ ارشاد ہے " اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے "

جنگ احزاب مومنین کیلئے ایک اہم سبق

تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں کہ بہتیرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کی مدد کی ہے اس کی واضح مثال ہمارے سامنے جنگ احزاب کی ہے جبکہ عرب کے تمام قبائل مومنین کے خلاف میدان جنگ میں امنڈ پڑے تھے وہ اس بات پر تلے تھے کہ دعوت اسلامی کا وجود ہی نیست و نابود کر دیا جائے مسلمانوں کا ایک ماہ تک محاصرہ کئے رہے ایسے سخت موقع پر یہودی بھی نقض عہد کر بیٹھے اور کفار سے جا ملے اس سے کفار کو بھروسہ ہو گیا کہ میدان ہمارے ہاتھ ہے بس ہمارے سر چڑھنے کا سلسلہ ہے مسلمانوں پر غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے شدید خوف نے مسلمانوں کی بعث اور جانثاری دلوں میں ہیجان برپا ہو گیا اس کے باوجود بھی دامن صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا وہ قلت تعداد کے باوجود بھی اللہ پر توکل کئے ہوئے تھے ان کی مثال اونٹ کے منہ میں زیرہ کی تھی چنانچہ اللہ کی مدد آئی جان لیوا طوفان نے انہیں آ دبوچا فوج کے پاؤں اکھڑ گئے " ساری فوج درہم برہم ہو گئی " میدان جنگ سے فرار ہو گئے " مومنین کو کفار و یہود دونوں پر فتح نصیب ہوئی " میدان جنگ مسلمانوں کے حق میں رہا فرحاں و شاداں اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کی اس طرح تصویر کشی کی ہے " اے ایمان والو اللہ کا انعام سچے اور یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایک **ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھی اور اللہ تمہارے** اعمال کو دیکھتا تھا جبکہ وہ لوگ تم پر چڑھ آئے تھے اوپر کی طرف سے بھی نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کا گمان کر رہے تھے " اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان لیا

گیا اور بری طرح ہلا ڈالے گئے" دوسری جگہ اسی سورت میں ارشاد ہے
"اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ہٹا دیا غصہ میں بھرے ہوئے تھے ان کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا زبردست ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔"

مگر آج ہم عالم اسلام کے مسلمانوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم کیا دیکھتے ہیں

کہ تمام برائیاں ان کے اندر جڑ پکڑ گئی ہیں۔ گندے عناصر ان کے جسموں میں سرایت کر گئے ہیں۔ ان کا رہن سہن اور طرز معیشت اسلام کے منافی ہے اور کوئی ادارہ ایسا نظر نہیں آتا جس سے ان کی پاکدامنی اور پاکیزگی کی شہادت دی جا سکے یہی وجہ ہے ذلت و نکبت ان کا مقدر بن چکی ہے ہر جگہ مارے کاٹے اور ستائے جا رہے ہیں۔ آج بھی اگر وہ صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلیں وہی خوبیاں، کردار اور امنگ و حوصلہ اپنے اندر پیدا کریں تو تخت و تاج ان کا ہوگا، کامیابی ان کے قدم چومے گی اور ساری دنیا پر ان کی عظمت و فوقیت کا سکہ رواں ہو جائے گا ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے وہ جس کو چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے اس کا وعدہ کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اگر وقت نے صدیوں میں تراشا ہے کو
تو نے اک آن میں توڑ دے وہ روایت کہن

بقیہ صفحہ دین سے انحراف ...

کرتا ہے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ جب آپ نے فرمایا تو صحابہ پکار اٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمارا ساتھی مظلوم ہے تو ہم اس کی مدد کریں۔ اگر وہ ظالم ہے تو کیسے مدد کر سکتے ہیں اس کی۔ اس لئے کہ اسلام کی تعلیمات یہ تھی کہ ظالم کا ساتھ دینا اہل حق کا شیوہ نہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ اگرچہ وہ ظالم ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو ظلم میں اس کے ساتھی نہ بنو بلکہ اس ظلم سے روک دو۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔ المومن مراۃ المومن ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینے کی مانند ہے اس آئینے میں اس کو خوبی اور خامی بلا کم و کاست نظر آتی ہے اور ایسے پیارے اور ایسے مخلص سے آئینہ آپ کی بات آپ کو بتاتا ہے کہ آپ آئینہ دیکھ کر آئینے کو توڑتے نہیں ہیں اپنے چہرے کا دھبہ دیکھ کر۔ بلکہ آپ اس دھبے کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو یہ ہے وہ اسپرٹ جس میں آپ کو کام کرنا ہوگا۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو اور خصوصاً ان ساتھیوں کو جن پر آپ نے ذمہ داری ڈالی ہے فی الحقیقت اس عہد کو وفا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور اس معاملے میں آپ کا فرض یہ ہے کہ جب آپ نے ان پر ذمہ داری ڈالی ہے تو اب آپ اس ذمہ داری میں اپنے آپ کو پورا پورا شریک محسوس کریں ان کا ہاتھ بٹائیں ان کے بوجھ کو ہلکا کریں۔ ان کے ساتھ تعاون کریں۔ ان کی مدد کریں ان کے دست و بازو بن جائیں اور اس طرح ہم دنیا و آخرت کی کامیابی کا اجر پا سکیں گے۔

صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

جو تھا ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ترتیب: ظفر احمد فلاحی

مجلس بیادِ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ

اسلامک کلچرل سینٹر میں یو کے اسلامک مشن کے زیر اہتمام

احمد جعفر صاحب نے فرمایا: "میں پرانا مسلم لیگی ہوں، مولانا نے پاکستان کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ وہ ہماری میٹنگوں میں آتے تھے۔"

مولانا سعید شریف صاحب نے فرمایا "مولانا نے اپنے کام سے واضح کیا کہ عالم دین وسیع المشرب اور وسیع الخیال ہوتا ہے۔ سارا عالم اس میں سمویا ہوتا ہے اور علمی تحقیقات کے ذریعہ قرآن و سنت کا حامل تنگ نظر نہیں ہوتا۔"

صدر یو کے اسلامک مشن نے فرمایا: مولانا کی یاد میں یو کے اسلامک مشن ہر سال ایک جلسہ منعقد کرتا ہے جس کا مقصد ثواب حاصل کرنا نہیں اور نہ شخصیت پرستی ہے بلکہ اس کا مقصد مغرب میں مولانا کی دعوت کو متعارف کرانا ہے اور در اصل عمل ہی ہمارے لئے مثال ہے۔"

۱۴ اکتوبر ۱۹۸۲ء ۶ بجے شام کو لوگ اسلامک کلچرل سینٹر لندن پہنچ گئے۔ مجلس کا آغاز برادرم منور علی صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد حفیظ میرٹھی کی مشہور نظم ٹیپ سے سنائی گئی۔ یہ نظم انہوں نے گزشتہ سال جب یو کے اسلامک مشن کی سالانہ کانفرنس میں تشریف لائے تھے ایک فرمائش پر کہی تھی۔ محبت و عقیدت میں ڈوبا ہوا شاعر کس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

تمہارے اسلوب نے نکھارا ہمارا انداز ترجمانی
تمہاری تنقید نے سنوارا مذاق نقد و نظر ہمارا
بہ فیض مودودی محترم کہیں غریب الوطن نہیں ہم
ہماری بستی ہے ساری دنیا تمام عالم نگر ہمارا

اس نظم کے بعد حافظ ابو سعید صاحب اسٹیج پر تشریف لائے آپ لندن کی اسلامی تنظیم دعوۃ الاسلام کے نمایاں کارکنوں میں سے ہیں۔ بہت ہی شستہ زبان میں اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے مولانا کی پانچ اہم خصوصیات پر روشنی ڈالی۔

(۱) — مولانا کا احسان ہے کہ ملت کے اندر اسلام کے بارے میں مدتہائے دراز سے جو غلط فہمیاں رواج پا چکی تھیں انہیں بہت ہی خوش اسلوبی سے دور کیا۔ مذہب و سیاست کی تفریق ایک فیشن بن چکا تھا۔ بزرگان دین علمائے کرام اس فکر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے بلکہ اس کی تبلیغ بھی شروع کر دی تھی، مذہب و سیاست ان دونوں کو الگ الگ کر دیا تھا۔ اس صورتحال کا مقابلہ کر کے زبان و قلم سے یہ واضح کیا اسلام مذہب و سیاست میں کوئی تفریق نہیں پیدا کرتا، کلمہ طیبہ کی تشریح سے بین الاقوامی معاملات کے بارے میں مدلل براہین سے ثابت کیا کہ یہ تمام چیزیں قابل عمل ہیں۔

(۲) — دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے سیاست کو

مطابق کہ قرآن کریم کی تمام ہدایات زندگی میں قابلِ عمل ہیں۔ زندگی کے تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ان سے پہلے قرآن کریم ایک خاص طبقہ کے لئے تھا، جو تفسیریں لکھی جاتی رہیں اُن سے عوامی سطح کے لوگ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، اور اس انداز سے سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ سب ہی طبقے کے لوگ قرآن کو ہدایت کی کتاب سمجھ سکیں۔

میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ مولانا نے اپنی تفسیر اتنی عام فہم اور شستہ زبان میں لکھی کہ سب ہی لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اس کا ایک ایک حرف اس دور میں بھی قابلِ عمل بن چکا ہے۔

(۳)۔۔ تیسری خصوصیت یہ بتلائی کہ مولانا نے اسلام کو ایک مذہب کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک تحریک کی حیثیت سے پیش کیا، خود اس پر عمل کیا اور پورے معاشرہ کو اس پر ڈھالنے کی راہیں ہموار کر دیں۔

(۴)۔۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کے بارے میں ہر طرح کی تشریح لکھی گئی۔ لیکن جو خامی سب کے اندر قدر مشترک تھی۔ وہ یہ کہ جو دماغ کے ساتھ کام کرتے تھے وہ اپنے قلم سے اپنی باتوں کے لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے اور جو زور قلم استعمال کر سکتے تھے۔ فکری اعتبار سے تہی داماں تھے۔ جو فکری اعتبار سے بڑھ چڑھ کر تھے اور اپنی باتوں کو لوگوں تک پہنچانے کی پوری صلاحیت و قوت رکھتے تھے لیکن عمل میدان میں کورے تھے۔ لیکن مولانا فکری اعتبار سے، زبان و قلم سے اظہار بیان کے لحاظ سے سب کو پیچھے چھوڑ گئے۔ کوئی بھی ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

(۵)۔۔ مولانا نے توحید آباد میں آنکھ کھولی، لیکن پوری دنیا میں اس وقت اسلامی تحریک کی لہر پھیل چکی ہے اسکا اہم رول مولانا نے ہی ادا کیا۔

اس کے بعد ایک کہنہ مشق شاعر حکیم غلام نبی حکیم صاحب تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: میں نے مولانا سے دار السلام میں ملاقات کی تھی ایک اہم بات میرے ساتھ یہ ہوئی کہ میں نمازوں میں خیالات کی دنیا میں بھٹک جایا کرتا تھا۔ علاج کے لئے کہیں سے کوئی نسخہ نہیں مل رہا تھا۔ وقت کے تمام بزرگوں کی طرف رجوع کیا۔ سبھوں نے علاج کی نشاندہی کی، لیکن دل کسی پر نہیں جمتا تھا، اخیر میں میں نے مولانا سے پوچھا، انھوں نے بتلایا کہ قرآن پڑھتے وقت ترجمہ کی طرف دھیان رکھو، یہ بات دل میں تیر کی طرح اتر گئی۔ اس علاج نے تریاق کا کام کیا۔

اس کے بعد جناب عبد الرحمان برنی صاحب تشریف لائے، خراج عقیدت پیش کرنے سے پہلے انھوں نے مولانا کی زندگی کے ایک اہم باب سے پردہ اٹھایا، کہ ۲۶ مارچ ۱۹۶۹ء میں ایوب خاں مرحوم نے پورے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ ملک پر سکوت چھا گیا، ایک دن مولانا کا قرآن کا درس تھا، میں بھی اس میں موجود تھا، درس کے بعد کسی بزرگ نے مارشل لا سے متعلق سوال کیا، کیا تھا؟ مولانا نے ۲۰ منٹ تک پورے جلالی رعب کے ساتھ مارشل لا پر سخت تنقید کی، اور اس کے بڑے عواقب کی نشاندہی کی، وہ تقریر اب بھی ہمارے پاس ٹیپ شدہ موجود ہے۔ انشاء اللہ کسی موقع سے پیش کی جائے گی۔ مولانا کی جرأت و بے باکی اس موقع پر دیکھنے کے لائق تھی۔

پھر برنی صاحب نے اظہار عقیدت میں ایک نظم پڑھی، جو عقیدت کے ساتھ ساتھ مولانا کی علمی وجاہت و جلالت، فراست، قیادت، دینی بصیرت، حسن نگارش اور ان کی عزیمت کی بہترین عکاسی کرتی ہے۔

اٹھائیں تو نے قید و بند کی بھی سختیاں برسوں
رہا تیرا عمل بھی حضرت یوسف کی سنت پر
سزائے موت سے مرد مسلماں ڈر نہیں سکتا
یہ ثابت کر دیا اہل ستم اہل شقاوت پر
روایات حسین ابن علی کو تازگی دے دی
شہادت کا صلہ تجھ کو ملے گا اس عزیمت پر
ترا حسن نگارش زینت اردو زباں ٹھہرا
ادب کو ناز ہے تیری فصاحت اور بلاغت پر

تری علمی وجاہت سے یہ کھل کر ہو گیا ثابت
بجا تھا اعتماد اقبال کو تیری فراست پر
سیاسی کشمکش میں تو نے جو کچھ رہنمائی کی
ہے تاریخی شہادت تیری تدبیر و شہادت پر
ہوں تفہیمات و تنقیحات یا تفہیم سنت آئی
دلیل و حجت حق ہیں تری دینی بصیرت پر

پھر سید علی جلال الحوازی صاحب نے اپنی طویل نظم میں سامعین کے سامنے معلومات کا ایک دفتر بکھیر دیا گیا۔ مولانا نہ صرف اپنے زبان و قلم سے دوسروں کو درس دیا، بلکہ اس پر عمل کر دکھایا۔

وہ ہے عالم جو فقط دے نہ عمل کی دعوت
بلکہ بن جائے وہ خود ہی عمل کی صورت

یہی نہیں بلکہ جس دعوت کو لیکر اٹھے اسے عام کرنے کے جرم میں ہر تکلیف جھیلی۔

جس نے اللہ کے فرمان پہ لبیک کہا
صاحب السجن بنا جور و ستم ظلم سہا

اور ہمیشہ اس کی تلقین کرتے رہے اور کوئی چیز اس کے لئے رکاوٹ نہ بنی

جو ادا مر کا پرستار نواہی کے خلاف
پیرو نور ہدیٰ ظلم و سیاہی کے خلاف

اس کے بعد اسٹیج پر مولانا سید شریف صاحب قاسمی مانچسٹر تشریف لائے۔ حمد و ثنا کے بعد آپ نے ایک حسین پیرائے میں مولانا کی زندگی کا مختصر سا خاکہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا نے ۱۵ سال کی عمر ہی میں زندگی کے کارزار میں قدم رکھ دیا تھا۔ عام طور پر اس عمر میں بچے شعور و احساس کی دنیا سے کوسوں دور رہتے ہیں ۲۵ سال کی عمر میں "الجہاد فی الاسلام" جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھی، جس کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا: "میں ہر ذی علم کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو پڑھے۔"

آپ نے فرمایا "آپ کی ذات ایک عام آدمی کی طرح نہ تھی

وہ کام جو اکاڈمیاں اور تنظیمیں انجام دیتی ہیں انہوں نے اسے کر دکھایا۔ صحافی بھی تھے مصنف بھی، ادیب بھی تھے مفکر بھی اگرچہ مولانا کے اندر تمام ہی اوصاف جمع ہو گئے تھے، ان تمام کے باوجود ان کا امتیاز اس بات میں تھا کہ وہ عالم دین تھے۔ انہوں نے ایسا آئیڈیل بن کر دکھلایا ایسا ہی عالم دین ہونا چاہئے۔ انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ عالم دین وسیع المشرب اور وسیع الخیال ہوتا ہے۔ سارا عالم اس میں سمویا ہوتا ہے۔ علمی تحقیقات کے ذریعہ قرآن و سنت کا حامل تنگ نظر نہیں ہوتا۔

انہوں نے سارے میدان میں تجدیدی کام کئے، خطابت کے میدان میں ایک آئیڈیل پیش کیا۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا۔ مولانا کے زمانے میں تقریروں کا یہ عام فیشن تھا کہ مقررین حضرات شام سے تقریر کرتے تو صبح ہو جاتی، خوب مزہ لے کر اور خوب خوشحالی کے ساتھ، آئیں بائیں کرتے تھے۔ مزید ایک خاص بات یہ تھی کہ ۸، ۹ گھنٹے تقریریں سنی جاتی تھیں، لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا نتیجہ نکلا؟ لیکن مولانا جس موضوع پر بات کرتے اس سے باہر نہیں نکلتے اور جتنا وقت ملتا اسی وقت میں اپنی پوری بات سمیٹ کر بیان کر دیتے۔ کبھی نہیں کہتے کہ یہ وقت تو کم ہے اور یہ مشہور تھا کہ مولانا کی گھڑی سے لوگ اپنا وقت درست کرتے تھے اور خطابت میں طرز بیان بلاغت کی اصطلاح میں سہل ممتنع ہوتا تھا۔

تحریر کے مطالعہ کے وقت یہی اندازہ ہوتا کہ ہم بھی یہ تحریر لکھ لیں گے لیکن لکھنے بیٹھتے تو مشکل کا اندازہ فوراً ہو جاتا۔

سیاست کے میدان میں ایک نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ بڑی اہم بات ہے کہ سیاست کو عبادت بنا کر پیش کیا۔ اب تک سمجھا جاتا تھا کہ سیاست چنگیزی، دھوکہ بازی کا دوسرا نام ہے۔ مولانا نے بزور دلائل ثابت کر دیا کہ یہ بھی نیکی ہے اور سیاست ہی دین ہے اور سیاست بھی نیکی ہے۔ دین و سیاست ایک ہی چیز ہے اور سیاست کے ذریعہ جو خدمت ہو سکتی ہے اس کا کوئی دوسرا بدل اور ذریعہ نہیں۔

ان کی زندگی کا مقصد تھا کہ خدا کے بندوں کو خدا کی بندگی کی طرف بلایا جائے۔ اس پُرمغز تقریر کے بعد جناب منیر احمد صاحب کو اپنا کلام پیش کرنے کے لئے اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ "عظمتِ اسلام" کے عنوان سے سامعین کو اپنے خاص انداز سے محظوظ کیا۔ عظمتِ اسلام احیائے دین کی دعوت اور باطل کو للکارنے پر اس مردِ حق کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

ہے کون ایسا مردِ حق آ گاہ	روک دی جس نے شورشِ ایام
جس نے دین کا مقام منوایا	جس کو بخشا گیا قبولِ عام
جس کی احیائے دین کی کوشش ہے	آشکارا ہے عظمتِ اسلام
اک اولوالعزم صاحبِ کردار	جس سے باطل ہے لرزہ براندام

جناب لطیف قریشی صاحب نے اس نظم کے اختتام پر صرف تیس سیکنڈ کی مہلت مانگی، صدرِ مجلس نے بطیبِ خاطر انھیں یہ موقع دیا۔ قریشی صاحب نے جچے تلے لفظوں میں فرمایا:

"مولانا کی زندگی کا مقصد تھا کہ اسلام کا بول بالا ہو، مسلمانوں کا اجتماعی وقار بلند ہو تو آپ لوگ اس مجلس میں یہ رزولیوشن پاس کریں کہ ہماری زندگی کا مقصد اسلام کو بلند کرنا اور اجتماعی وقار کو بام عروج تک پہنچانا ہو۔"

جناب احمد جعفر صاحب صدرِ مجلس مائک کے سامنے تشریف لائے۔ حمد و ثنا کے بعد انہوں نے فرمایا میں آپ کا اور یو کے اسلامک مشن کا شکریہ بجا لاتا ہوں کہ مجھے صدارت کا اعزاز بخشا جو کہ میں ان کا مستحق نہیں تھا اور ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے یہ مجلس مولانا کی یاد میں منعقد کی اور میں کہوں گا کہ اس طرح کی مجلس یہاں کے تمام شہروں میں منعقد کریں اور خاص طور سے مولانا کے افکار کو نوجوانوں میں عام کریں۔ پھر انہوں نے چند واقعات بیان کئے فرمایا: ۱۵ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ مولانا کو ایوب خان نے گرفتار کر لیا تھا۔ میں اس دوران کوئٹہ شپنگ کارپوریشن کی میٹنگ میں شرکت کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ میٹنگ میں بہت سے ذمہ داران حضرات موجود تھے۔ ان ہی میں علی المطوع نے میٹنگ کے آغاز ہونے سے پہلے مجھ سے ڈانٹ کر کہا میٹنگ بات تو بعد میں ہوگی۔ پہلے مارشل ایوب خان کو خبر کرو کہ مولانا کو رہا کریں۔ میں نے کہا نہ میں حکومت کا آدمی ہوں اور نہ کوئی حکومت کا ملازم ہر حال میں نے ایک ٹیلی گرام کر دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنرل اعظم نے مولانا کو سزائے موت دی۔ میں نے اس سزا پر انھیں ڈانٹا۔ مجھے جواب ملا کہ تم خاموش رہو۔ خواجہ ناظم الدین وزیراعظم کی میٹنگ میں اکثر مسلم لیگیوں نے کہا یہ فیصلہ غلط ہوا ہے۔ اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے احمد جعفر صاحب نے فرمایا "میں پرانا مسلم لیگی ہوں۔ مولانا نے پاکستان کی کوئی مخالفت نہیں کی، وہ ہماری میٹنگوں میں آتے تھے۔" مزید فرمایا میں ان کے درس میں شریک ہوتا تھا۔ انتقال سے کچھ دنوں پہلے ان سے ملنے گیا۔ ملاقات تو نہ ہو سکی البتہ ایک کتاب دستخط کے لئے بھجوایا۔ مولانا نے اس پر دستخط کر دیئے اور مولانا نے خط بھی لکھا۔ اس چیز نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ آج وزیروں کو خط لکھا جائے تو جواب نہیں دیتے اور عام انسانوں کے خطوط کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

اخیر میں صدر یو کے اسلامک مشن رشید احمد صدیقی صاحب نے تمام شرکاء اور سامعین مجلس کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور یہ مجلس حسن و خوبی ۹½ بجے دعا پر ختم ہو گئی۔ ★★

بقیہ: جاگو سیاسی ...

پر زور گذارش ہے کہ آپ کسی بھی مسئلہ کا حل قرآن اور حدیث کے ساتھ ساتھ سائنس کی روشنی میں بھی نکالیں۔ ایک بار پھر میرا سلام قبول فرمائیں

بقیہ سب خیریت ہے۔ والسلام

آپ کا ——— ابوالکلام اعظمی

امین ہوسٹل

ایم ایم ہال

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

عبید اللہ فہد فلاحی

اخوان المسلمون ایک جائزہ اور مطالعہ

اس ہمہ گیر دعوت کے نفاذ اور بہتر نصب العین کے حصول کے لئے اخوان نے جو طریق کار اختیار کیا وہ مختصر لفظوں میں یوں ہے کہ رائے عامہ کو بدلا جائے اور دعوت کے علمبرداروں اور اسلام کے نام لیواؤں کی بہترین تربیت کی جائے تاکہ وہ اسلام سے وابستگی اور اسکی پیروی کیلئے نمونہ بن سکیں۔

حسن البنا شہید اپنے ایک رسالہ دَعوتُنا فی طَورٍ جدید میں وسائل اور طریق کار پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی دعوت کی جڑیں مضبوط کرنے اور اسے دلوں میں اتارنے کا ذریعہ تو مشہور و معلوم ہے۔ ہر اس شخص پر عیاں ہے جسے جماعتوں کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ خلاصہ ہے اس کا: ایمان و عمل اور اخوت و محبت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ اور کیا کیا کہ صحابہ کو ایمان و عمل کی دعوت دی پھر اخوت و محبت کی لڑی میں انھیں پرو دیا۔ نتیجہ عقیدہ کی قوت کے ساتھ وحدت کی طاقت بھی حاصل ہوگئی اور پھر ان کی جماعت وہ مثالی جماعت بن کر ابھری کہ اگر سارے اہل زمین مل کر ان کی مخالفت کرتے تب بھی ان کی دعوت کا سربلند ہونا اور کلمہ کا بول بالا ہونا ناگزیر تھا۔"

اپنے ایک دوسرے رسالے "ہمارا ماضی و حال" میں کہتے ہیں:

"یاد رکھو! دعوتوں اور تحریکوں کیلئے کچھ وسائل ہوتے ہیں جنھیں اپنانا اور ان کیلئے جدوجہد کرنا ناگزیر ہوتا ہے اور وہ وسائل کبھی بدلتے نہیں، وہ ہمیشہ ایک سے رہتے ہیں، وہ وسائل کیا ہیں؟

۱۔ گہرا ایمان ۲۔ دقیق تنظیم ۳۔ پیہم جد و جہد"

پانچویں کانفرنس میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بغیر تعبیر و تربیت اور تعارف کے کسی مرحلہ کا طے ہونا ناممکن ہے۔ آپکے نزدیک کسی بھی دعوت کیلئے تین مرحلے ناگزیر ہیں:

۱۔ دعوت کا تعارف ہو، زیادہ سے زیادہ اسکے چرچے ہوں، اسکی خوبیوں اور متوقع فائدوں کے تذکرے ہوں اور وہ عوام کے ایک ایک طبقے تک پہنچائی جائے یہ دعوت کا پہلا مرحلہ ہوگا۔

۲۔ دعوت کی تنظیم و تشکیل ہو، مخلص سرفروشوں کا انتخاب ہو، فوجوں کی تیاری و فراہمی ہو، صف بندی و صف آرائی ہو، یہ دعوت کا دوسرا مرحلہ ہوگا۔

۳۔ پھر تیسرا مرحلہ ہوگا جس میں اپنے اصولوں کا نفاذ ہوگا، عملی جدوجہد ہوگی، پھر نتائج کی خوشہ چینی ہوگی۔

اور چونکہ پوری دعوت میں ایک وحدت اور تمام مراحل میں قوی ربط ہوتا ہے اس لئے عموماً یہ تینوں مراحل ساتھ ساتھ چلیں گے چنانچہ داعی دعوت دیگا۔ اسوقت وہ تربیت و انتخاب بھی کرے گا۔ اور ٹھیک اسی لمحے وہ عملی کوششوں اور تنفیذی سرگرمیوں میں بھی مصروف ہوگا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ لیلائے منزل سے ہم آغوشی

اور خارج سے بہرہ اندوزی اسی وقت ہو گی جب دعوت کا خوب پرچار ہو، راہ ہموار اور فضا سازگار ہو۔ جاں بازوں کی ایک ٹیم جان و دل سے نثار اور جوشِ جہاد سے سرشار ہو اور تنظیم نہایت استوار و پائیدار ہو۔"

امام البناؒ نے جماعت کے کارکنوں کے سامنے آئیڈیل و مجاہد کے اوصاف پیش کرتے ہوئے پانچویں کانفرنس میں فرمایا:

"جس وقت تم میں سے تین سو ایسے دستے تیار ہو جائیں جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو تیار کر چکا ہو — روحانی طور پر ایمان اور عقیدہ کی طاقت سے مسلح ہو، فکری طور پر علوم و ثقافت کے جوہر سے آراستہ ہو اور جسمانی طور پر ریاضت اور عسکری تربیت میں کامل ہو چکا ہو — اس وقت تم مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو کہ تمہیں لے کر سمندر کی پہنائیوں کو چیر جاؤں، آسمان کی بلندیوں کو جا لوں اور ہر جبار و متکبر کے پنجے توڑ دوں۔ اس وقت ایسا کر دینے میں مجھے انشاء اللہ کوئی عذر نہ ہوگا۔"

راستہ لمبا ہے

اخوان اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ راستہ بڑا طویل، صبر آزما اور پُرپیچ ہے لیکن منزل تک پہنچنے کا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ اس لئے پیہم جد و جہد، مسلسل لگن اور صبر و عزیمت کے ساتھ دعوت کے تعارف اور تشکیل سیرت میں لگے رہنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ پانچویں کانفرنس میں امام البنا اپنے شاگردوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مسلم بھائیو! بالخصوص جلد باز اور جذبات سے سرشار بھائیو! اپنی اس عظیم کانفرنس کے اندر صاف صاف سن لو! تمہاری راہ کے خطوط کھینچے ہوئے ہیں، اس کے حدود متعین ہیں اور میں ان حدود سے کبھی ہٹ نہیں سکتا کہ ان کے بارے میں مجھے کامل اطمینان ہے۔ بلا شبہ وہ منزل تک پہنچنے کا سب سے محفوظ راستہ ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ اس طرح سفر لمبا ہو جائے لیکن کوئی اور راستہ ہے بھی تو نہیں اور مردانگی کا مظاہرہ تو ہوتا ہی ہے اس وقت جبکہ صبر اور پامردی ہو، پیہم جد و جہد اور انتھک کوشش ہو تو اگر کوئی کچا پھل توڑنا چاہتا ہو یا شگفتگی سے پہلے ہی کلی چٹخنی پر مصر ہو تو میں کبھی ساتھ نہیں دے سکتا اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ ہم سے علیحدہ ہو جائے لیکن اگر کوئی صبر سے کام لیتا ہے یہاں تک کہ بیج اُگ جائے، پودا تیار ہو جائے، پھل پک جائے اور اس کے توڑنے کا مناسب وقت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے یہاں محفوظ رہے گا۔

مسلم بھائیو!

جذبات کے ہیجان کو عقل و بصیرت کی لگام دو، عقل کی شعاعوں کو جذبات کی حرارت دو۔ حقیقت و واقعیت سے فکر و خیال کو مربوط رکھو اور فکر و خیال کے ہالوں میں حقائق کا سراغ لگاؤ۔ کسی ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسرے سے محروم ہو جاؤ، نوامیسِ فطرت سے ٹکر نہ لو کہ وہ سر توڑ دیں، ان کے دھارے کو موڑ کر انہیں سے خدمت لو۔"

تشدد اور بغاوت سے اجتناب

تحریک اخوان المسلمین کے سلسلے میں یہ بات بالکل واضح

رہی چاہیے کہ وہ تشدد اور بغاوت سے بہت دور تھے۔ بلا شبہ اسلامی حکومت کے قیام کو انہوں نے اپنا اولین فریضہ سمجھا اور اس کے لئے جان و مال کی بازیاں بھی لگائیں لیکن ان کا سارا کام علی الاعلان اور کھلم کھلا ہوتا تھا وہ خفیہ سازشوں اور متشددانہ انقلابات کے حامی کبھی نہ تھے۔ چنانچہ پانچویں کانفرنس میں مخالفین کے اسی طرح کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے بانی تحریک نے فرمایا:

"اکثر لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اخوان المسلمین مصر کے سیاسی یا اجتماعی نظام کے خلاف بغاوت کے درپے ہیں؟ ـــــ تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ضرور قوت کا استعمال کریں گے مگر اس وقت جب اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہ ہوگا اور ہمیں یہ پورا اطمینان ہوگا کہ ہم ایمان و یقین اور وحدت و اجتماعیت کی قوت بھی فراہم کر چکے ہیں۔ رہی بغاوت تو اخوان اس طرح کا کوئی خیال نہیں رکھتے نہ اس کا وہ سہارا لیتے ہیں اور نہ اس کی افادیت کے وہ قائل ہیں۔ البتہ وہ تمام ارباب حکومت کو آگاہ کرتے ہیں کہ اگر حالات کا یہی رخ رہا اور اہل حل و عقد نے فوری علاج اور بروقت اصلاح کی کوشش نہ کی تو یقیناً بغاوت کے لاوے پھوٹ پڑیں گے اور یہ بغاوت خود حالات کا نتیجہ ہوگی۔ اصلاحی کوششوں اور مفید تدابیر سے کوتاہی کا ثمرہ ہوگی۔ اخوان المسلمون کی سرگرمیوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔"

خدمات

آئیے آخر میں اخوان کی ان خدمات کا بھی ہلکا سا جائزہ لے لیا جائے جو انہوں نے مصری معاشرے کی ہمہ گیر اصلاح کیلئے انجام دیں۔

یہ آپ شروع میں جان چکے ہیں کہ حسن البنا نے جن حالات میں دعوت کی داغ بیل ڈالی، انتہائی مخدوش اور خراب تھے۔ چنانچہ اخوان نے ملک کے ہر طبقے میں کام کیا فکری انقلاب کے لئے راہیں ہموار کیں، ارباب اقتدار کو تعمیر و اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ صحافت کے میدان میں ٹھوس تعمیری کام کیا۔ تعلیم کے شعبے میں قابل لحاظ تبدیلی لائے۔ خدمت خلق کا وسیع اور بے لوث کام کیا اقتصادی میدان میں ملک کو بیش بہا دولت سے نوازا غرضیکہ ہمہ جہتی خدمات انہوں نے انجام دیں۔ آئیے ذرا قدرے تفصیل سے ان خدمات کا جائزہ لیا جائے:

فکری انقلاب کیلئے راہ ہموار کی

اخوان نے ایک طرف تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر اپنا نفوذ کیا تو دوسری طرف کسانوں اور مزدوروں کے طبقہ میں اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ الحاد و دہریت، وطنی قومیت اور مغرب کی نقالی کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کی خرابیوں اور نقصانات پر دلائل کے انبار لگا دیئے، قرآن و سنت سے صحیح اور جامع اسلام کے تصور کو بے نقاب کیا، دین و دنیا کی تفریق کے نظریے کو باطل کیا۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کو اپنی تعلیم و تبلیغ کا مرکز بنایا اور اس راہ میں جان توڑ کوششیں کیں۔ طلبہ اور اساتذہ کے اندر دینی روح پھونکی اور انہیں جہاد کی تربیت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی یونیورسٹیاں جو پہلے اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا کرتی تھیں اب وہاں اسلام کے علمبردار طلبہ حاوی اور غالب نظر آنے لگے اور طلبہ یونینوں پر ان کا قبضہ ہو گیا پھر جب فلسطین کے خلاف اعلان جنگ ہوا تو یہی طلبہ مجاہدین کی اگلی صفوں میں نظر آنے لگے۔

جب ان تعلیم گاہوں سے اسلامی نظام کا نعرہ بلند ہوا تو ہوا کا رخ بدل گیا۔ اب اہل علم و ادب بھی اس سے متاثر نظر آنے لگے اور ان کے الحاد نواز قلم اسلامی نظام کی قصیدہ خوانی میں لگ گئے۔ جو زبانیں دین و سیاست کی تفریق کا اعلان کر رہی تھیں وہی اب یہ نعرہ بلند کرنے لگیں کہ اسلام عقیدہ بھی ہے

اور عبادت بھی، وطن بھی ہے اور نسل بھی، دین بھی ہے اور ریاست بھی، روحانیت بھی ہے اور عمل بھی، قرآن بھی ہے اور تلوار بھی۔" یہاں تک کہ مصر کے نامور ادیب احمد حسین زیات کو یہ لکھنا پڑتا ہے کہ:

"صرف اخوان المسلمون ہی اس بگڑے ہوئے معاشرہ کے اندر خالص اسلامی عقیدے اور سچے اسلامی ذہن کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ دین کو ایک الگ تھلگ موضوع نہیں سمجھتے اور نہ دنیا کو ایک آزاد اور مستقل بازار تصور کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں مسجد بازار کا ایک منارہ ہے اور بازار مسجد کا ایک حصہ ہے۔ وعظ و تذکیر کے لئے ان کے پاس زبان ہے، اقتصادی میدان میں ان کی عملی منصوبے نافذ ہیں۔ جہاد کے لئے یہ اسلحہ کی تربیت حاصل کرتے ہیں، سیاست میں ان کا مستقل نظریہ ہے۔ ہر شہر کے اندر ان کے پیرو ہیں۔ ہر عرب ملک کے اندر ان کا نفوذ ہے۔ مصر و سوڈان، عراق و شام، یمن، حجاز و قطر اور الجزائر و مراکش میں آج جو قومی بیداری نظر آ رہی ہے یہ انہیں کی دعوت کی شعاعیں ہیں اور وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ یہ غیر معمولی اہمیت اختیار کر جائیں گے۔" (الرسالہ شمارہ [illegible])

فلسطین کے مشہور محقق ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی تحریک اخوان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"سرکاری علماء محض زبانی جمع خرچ کر رہے تھے۔ صوفیاء کا گروہ تنگ نظر روحانیت پرستوں پر مشتمل تھا۔ شبان المسلمین کی تنظیم محض اصلاحی انجمن تھی۔ مصر جس بحران میں مبتلا تھا، ہر گروہ اس کا جزوی علاج کر رہا تھا۔ آخر اخوان المسلمون کی تحریک برپا ہوئی اور اس نے خلا کو پُر کر دیا۔"

اس مقصد کے حصول کے لئے اخوان نے وعظ و تذکیر اور اخلاقی اصلاح سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ غریبوں اور مزدوروں کو اسلام کی بنیادوں کی طرف توجہ دلاتے، انھیں نماز، روزے کی تعلیم دیتے، قرآن پاک کی چند سورتیں یاد کراتے، اسلامی دعوت کی حقیقت عام فہم انداز میں بتاتے، شریعت کے اوامر و نواہی سے انھیں آگاہ کرتے، منکرات و خواہش کے سیلاب کو روکتے۔ شروع شروع میں یہ کام مسجدوں کے ذریعہ ہوا پھر جب مختلف شہروں میں ان کی شاخیں کھل گئیں تو یہی شاخیں ان مقاصد کی تعلیم و اشاعت کے مرکز بن گئیں۔

دوسری طرف ارباب اقتدار کو انھوں نے دعوتی خطوط لکھے۔ محمد محمود پاشا کے زمانے سے یہ طریق کار شروع ہوا۔ اسے ایک طویل خط لکھا گیا جس میں اصلاحی اقدامات کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، قانون کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کا مشورہ دیا گیا اور ایک ایسی کمیٹی بنانے کا مطالبہ کیا گیا جو مروجہ قانون کو اسلامی قانون کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لئے غور و فکر کرے۔ نحاس پاشا، عمر طوسین، محمد علی توفیق، احمد خشبہ پاشا اور دوسرے حکمرانوں کو بے شمار خطوط لکھے گئے۔

اسلامی صحافت کی بنیاد ڈالی

مصری صحافت محب الدین خطیب کی زبان میں "ہانی دوڑ" کی صحافت میں تبدیل ہو چکی تھی لیکن اخوان نے اس صنم کدے میں اذان دی تو ہر طرف اسلام ہی اسلام کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ ۱۹۳۶ء میں "الاخوان المسلمون" روزنامہ جاری کیا تو مصر اور عالم عرب میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس روزنامے نے اپنی بیباک تنقیدوں اور بے لاگ اداریوں سے شاہی دربار میں ہلچل مچا دی چنانچہ کئی بار اس کو بند کیا گیا۔ اس کے علاوہ ماہنامہ المنار، ہفت روزہ التعارف، الشعاع، ہفت روزہ النذیر، ہفت روزہ الشہاب، ہفت روزہ الدعوۃ، المباحث، اور المسلمون انہوں نے جاری کئے اور لوگ سنسنی خیز خبروں اور فحش قصوں کے بجائے ٹھوس مسائل میں دلچسپی لینے لگے۔

میدان تعلیم میں ان کی خدمات

اس میدان میں انھوں نے جو خدمات انجام دیں وہ بہت سرفہرست رکھی جاسکتی ہیں۔ انھوں نے مختلف موقعوں پر اسلامی نظام تعلیم کی طرف حکومت کو توجہ دلائی، تعلیم کے اہم مقاصد بیان کئے، اپنی تعلیمی اسکیم کا خلاصہ عوام کے سامنے پیش کیا اور ارباب حکومت کو اس سے آگاہ کیا۔ لڑکیوں اور لڑکوں کیلئے علیحدہ ابتدائی اور ثانوی مدارس اور فنی درسگاہیں قائم کیں۔ ناخواندگی کو ختم کرنے اور عوام کی دینی معلومات بڑھانے کے لئے انھوں نے مدارس کھولے حفظ قرآن کی درسگاہیں جاری کیں۔ مزدوروں اور کسانوں کیلئے شبینہ مدارس جاری کئے۔ امتحانوں میں ناکام ہونے والے طلبہ کے لئے کئی مرکز جاری کئے جن میں یونیورسٹی کے زیر اہتمام کوچنگ کلاسوں کا انتظام تھا۔ کمسن بچے جو مزدوری کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے تھے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے شعبے قائم کئے۔ لڑکیوں کی تعلیم کیلئے پرائیویٹ اسکول جاری کئے۔ مدارس امہات المومنین کے نام سے لڑکیوں کی تعلیم کا الگ انتظام کیا۔ صنعتی تعلیم کے مراکز قائم کئے غرضیکہ وسیع پیمانے پر تعلیمی مہم کو نافذ کیا۔ صرف قاہرہ میں ان کی ۱۳ تعلیم گاہیں تھیں جن میں گیارہ کالج تھے۔

معاشی میدان میں

قومی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لئے انھوں نے کئی معاشی کمپنیاں قائم کیں جن کا منافع مضاربت کے اصول پر تقسیم ہوتا تھا اور اس منافع میں مزدوروں کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔

۱۔ شرکت معاملات اسلامیہ۔ اس کمپنی نے کئی ہوائی بسیں جاری کیں، تیل سے جلنے والے چولہے بنانے کا کارخانہ قائم کیا۔ سیمنٹ کی ایک فیکٹری بھی قائم کی۔

۲۔ شرکت عربیہ۔ یہ کمپنی سنگ تراشی کے جدید ترین آلات درآمد کرتی تھی۔

۳۔ شرکت پارچہ بافی۔ ۱۹۴۱ء میں اس کمپنی نے کپڑے بنانے کے کارخانے کا افتتاح کیا۔ یہ کارخانہ بہترین پارچہ بافی ریشمی کپڑا، گیبرڈین اور دوسرے بہترین پارچہ جات تقسیم کرتا تھا۔

۴۔ شرکت مطبعہ اسلامیہ   ۵۔ شرکت جریدہ یومیہ

۶۔ شرکت تجارت و اعمال ہندسہ   ۷۔ شرکت تجاریہ

۸۔ ایڈورٹائزنگ کمپنی۔

یہی حال اخوان کی طبی خدمات کا ہے۔ صرف قاہرہ میں ان کے ۱۷ شفاخانے تھے۔

خدمت خلق

نقراشی پاشا کے زمانہ میں جب اخوان خلاف قانون قرار دیے گئے تو اس وقت ان کے قائم کردہ خدمت خلق کے پانچ سو مراکز تھے۔ یہ مراکز مستحقین کی اشیاء اور نقدی سے مدد کرتے۔ زکوٰۃ و صدقات اور چرم قربانی کی آمدنی سے حاجت مندوں کی ضروریات فراہم کرتے۔ بے روزگاروں کے لئے روزگار مہیا کرتے۔ مزدوروں کے حلقے میں مفت تعلیم اور مفت علاج کا بندوبست کرتے۔

غیر آباد مساجد کی دیکھ بھال بھی انھی مراکز کی ذمہ داری تھی۔ چنانچہ صرف قاہرہ میں ۲۰۰۰ مساجد ان کے زیر انتظام تھیں۔ مزدوروں کی مشکلات حل کرنے کے لئے انھوں نے لیبر سنٹر کھول رکھا تھا۔ زراعت کے میدان میں بھی ان کی قابل قدر خدمات ہیں۔ اخوان کا قائم کردہ یہ شعبہ کاشتکاروں کو کاشت کے جدید طریقوں سے آگاہ کرتا اور زرعی پیداوار کو آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھنے کے طریقے بتاتا تھا۔

معاشرتی خدمات کے لئے بھی ان کا ایک مستقل بورڈ کام کرتا تھا۔

یہ ہے اس عظیم تحریک کی خدمات کا اجمالی تذکرہ۔

اخوان کے اس اجمالی تعارف کو دیکھ کر آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیوں عالم عرب کی جابر و خود مختار شہنشاہیتیں اور روس و امریکہ جیسے سپر پاورز اس تحریک کو درگور کرنے کے درپے رہے ہیں اور آج بھی ان کا وجود انھیں کیوں شاق گذر رہا ہے۔

کتابیات

۱۔ مجاہد کی اذان —— از محمد عنایت اللہ سبحانی
مکتبہ ذکری رام پور یوپی

(بقیہ ۱۹ پر)

ارمغانِ خلوص

شبنم سبحانی

(بحضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ)

دلوں کو ساغرِ عرفاں پسند ہے اب تک
لبوں سے نعرۂ وحدت بلند ہے اب تک

تری نگاہِ محبت تری ادائے خلوص
دلِ بشر کے لئے نقش بند ہے اب تک

برس گیا ہے کچھ اس طرح تیرا ابرِ کرم
یہ سرزمیں تری احسان مند ہے اب تک

وہ کیمیا ہے سعادت ہے تیری ذات سے اُنس
کہ زہرِ بغض و حسد بے گزند ہے اب تک

وہ مشتِ خاک کو رفعت ملی ہے تیرے طفیل
فصیلِ عرش بھی زیرِ کمند ہے اب تک

تری نگاہ نے ذروں کو آفتاب کیا
غبارِ خاک نشیں سربلند ہے اب تک

تری نظر نے وہ بخشے ہیں گنج ہائے نبات
کہ آبِ گنگ و جمن مثلِ قند ہے اب تک

کسی کو یاد نہیں خسروانِ عقل کے نام
فقیرِ عشق کا پرچم بلند ہے اب تک

غرورِ کبر کے ساغر چھلک کے ٹوٹ گئے
سفالِ فقر مگر ارجمند ہے اب تک

خرد کا پیچ و خم یہ ہوس کا قصرِ بلند
تری نگاہ میں مثلِ سپند ہے اب تک

وہ ناخدا جو سفینے ڈبو دے ساحل پر
ترے حضور وہی ہوش مند ہے اب تک

عطا ہو دولتِ غم تیرے اس سوالی کو
یہ شہسوار ترا بے سمند ہے اب تک

خدا نواز دے پھر جرأت و ستیز غوری[۱] سے
کہ یہ غزال ترا بے زقند ہے اب تک

مجھے نصیب ہو سرمایۂ گدازِ عمل
کہ یہ خزینہ ترا مُہر بند ہے اب تک

۱۔ شہاب الدین غوری

سید راشد علی حامدی

غزل

جو شخص دوسروں کا بڑا دردمند تھا
دیکھا تو مصلحت کے حصاروں میں بند تھا

ہر ارتکاب جرم پہ محسوس یہ ہوا
میرا ضمیر میرے لئے نکر مند تھا

جس کو بڑا غرور تھا اونچی اڑان پر
اک روز اتفاق سے زیر کمند تھا

شہر فساد سے وہ نکلتا بھی کس طرح
پیچھے اجل تھی سامنے رستہ بھی بند تھا

جو دار کو بلندیٔ کردار کہہ گیا
وہ شخص سوچتا ہوں کہ کتنا بلند تھا

حالات تھے جو بھیڑ میں پھرتے رہے ہیں لئے
ورنہ ہر ایک آدمی خلوت پسند تھا

راشد کی ہر غزل میں تھیں معنی کی وسعتیں
دریا تصورات کا کوزے میں بند تھا

عالمِ اسلام

افغانستان کی صورت حال

افغانستان میں برپا مسلح کشمکش کے بارے میں بنیادی چیز یہ ہے کہ وہاں آمنے سامنے بڑی دو فوجوں کے درمیان جنگ نہیں عوامی مزاحمت ہے۔ یہ مزاحمت ویتنام، الجزائر اور عراق نوعیت کی ہے ہر شخص مجاہد ہے۔ جسے اسلحہ مل جائے۔ وہ کھلا مجاہد ہے۔ جسے نہ مل سکے وہ مخفی مجاہد ہے۔ اور کھلے مجاہدوں کو راشن، پناہ گاہ اور اطلاعات فراہم کرتا ہے۔

افغانستان کو جنگ کے واقعات کے نقطۂ نظر سے تین قسم کے خطوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) گرم معرکوں کے علاقے۔

(۲) معمول کے مطابق جھڑپوں کے علاقے۔

(۳) جنگ نہ امن کے علاقے

گرم معرکوں اور معمول کے مطابق جھڑپوں کے علاقوں کی تقسیم مستقل نہیں کیونکہ کبھی کوئی صوبہ کسی وقت گرم میدان کارزار میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ گرم معرکوں کے علاقے مجاہدین کی جنگی حکمت عملی، روسیوں کی ضروریات، جس میں انتظامی اور سیاسی دونوں شامل ہیں اور کسی خطے کی اسٹراٹیجک اہمیت پر منحصر ہیں۔ بڑے شہروں پر مشتمل صوبے ہمیشہ گرم معرکوں کے علاقے رہتے ہیں۔ کابل، جلال آباد، غزنی، ہرات، قندھار، گردیز اور مزار شریف وغیرہ کے صوبوں میں کبھی امن نہیں رہا۔ ان بڑے شہروں کے گرد و نواح میں حالت جنگ رہتی ہے۔ ہر شہر میں رات کا مستقل کرفیو ہے۔ جو رات میں شروع ہونے والی کسی بڑی جھڑپ کے نتیجے میں دن کے کرفیو میں بھی تبدیل ہو جاتا ہے اور کابل شہر کے علاوہ جس کا کبھی اعلان نہیں کیا جاتا۔ بڑے شہروں کے علاوہ ملک کی اہم شاہراہوں پر کبھی امن نہیں ہوتا۔ روسی انہیں محفوظ بنانا چاہتے اور مجاہدین ان شاہراہوں پر اپنی بالادستی سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور پھر ان شاہراہوں پر گزرنے والے فوجی قافلے مجاہدین کیلئے اسلحہ اور رسد کے حصول کا آسان ترین ذریعہ ہوتے ہیں۔ اہم شاہراہوں پر گزرنے والے فوجی قافلے مجاہدین کے لئے اسلحہ اور خوراک کے حصول کا آسان ترین ذریعہ ہوتے ہیں۔ اہم شاہراہیں یہ ہیں۔ (۱) کابل سالانگ، ایبک، شبرغان اور پل خمری سے مزار شریف اور روس کی سرحد پر بندر حیرتان تک (۲) کابل قندھار ہرات اور روس کی سرحد پر واقع تورغنڈی (۳) کابل جلال آباد روڈ شامل ہیں۔

تاہم روسی جس صوبے میں صرف اسٹراٹیجک اہمیت کے باعث متحرک رہتے ہیں وہ کنڑ ہے۔ صوبہ کنڑ کی وادیاں مجاہدین کے قبضے میں ہیں لیکن روسی کنڑ کی بڑی وادی پر بہر قیمت اپنا کنٹرول رکھنا چاہتے ہیں وادی کنڑ کے بارے میں روسیوں کو غالباً یہ وہم ہے کہ وادی کنڑ اگر مجاہدین کے قبضے میں چلی گئی تو پاکستانی سرحد سے وسط ایشیا کے روسی مقبوضات تک ایک ایسا راستہ کھل جائے گا جس کی بدولت وسط ایشیا اور باقی دنیا بالخصوص مسلم دنیا کے درمیان رابطہ قائم ہو جائے گا یا ہو سکے گا۔ اس لئے روس باوجود بھاری نقصان اٹھانے کے صوبہ کنڑ میں ہر وقت میدان جنگ گرم رکھتا ہے۔

گذشتہ دو مہینوں کی صورتحال کا جائزہ لینے سے قبل مزید جنگ زدہ علاقوں کا ذکر ضروری ہے۔ یہ علاقے وسطی افغانستان کے تین صوبوں اور پاکستانی سرحد پر واقع بعض قبائلی خطوں پر مشتمل ہیں۔ وسطی افغانستان کے علاقوں کو روس مجاہدین سے فارغ ہونے کے بعد نمٹنا چاہتا ہے۔ قبائلی علاقے "کمیونسٹ کودتا" کے پہلے دن سے آزاد علاقوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ اور جب ترہ کی، امین اور کارمل نے اپنے اپنے دور اقتدار میں ان علاقوں کو زیر کرنا چاہا تو انہیں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ ان علاقوں کو روس کی افغانستان میں موجود ساری قوت بھی فتح نہیں کر سکتی، انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

گذشتہ دو ماہ میں شمال مغربی سرحد پر واقع صوبہ بادغیس اور وسطی افغانستان کے صوبہ بامیان کے علاوہ باقی ۲۶ صوبوں میں جھڑپوں کی اطلاعات ملی ہیں۔ ان دونوں صوبوں کے بارے میں بھی یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ جبکہ حال ہی میں افغانستان پر قابض روسی فوجی حکام اور کارمل انتظامیہ پر بامیان شہر کے نواح میں ایک جھڑپ کی اطلاع دیتے ہوئے مجاہدین پر کلاشنکوف لانے والے کیمیاوی دستی بم استعمال کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ وہاں سے اطلاعات نہ ملنے کی وجہ ان صوبوں کا دور افتادہ ہونا بھی ہو سکتا ہے۔ ان دو مہینوں میں افغانستان کے ۲۸ صوبوں میں سے ۱۱ صوبوں میں شدید معرکے رہے، ۹ صوبوں میں جھڑپیں ہوئیں جنھیں معمول کے مطابق جھڑپیں بھی کہہ سکتے ہیں، پانچ صوبے جہاں کم یا معمولی جھڑپیں ہوئیں یا بالعموم "نہ جنگ نہ امن" کی حالت میں رہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

<u>گرم معرکوں کے علاقے</u>:- کابل، پروان، لغمان، کنڑ، ننگرہار، لوگر، غزنی، قندھار، ہرات، فاریاب، جوزجان، بلخ، سمنگان، بغلان، کندز، بدخشان اور وردگ۔

<u>معمول کی جھڑپوں کے علاقے</u>:- زابل، ہلمند، نیمروز، فراہ، تخار اور پکتیا۔

<u>نہ جنگ نہ امن کے علاقے</u>:- بامیان، اورزگان، غور، بادغیس، پکتیکا کے علاوہ صوبہ پکتیا کے بیشتر علاقے اور صوبہ غزنی کے پکتیکا اور زابل کے درمیان واقع جنوبی علاقے۔

وسطی افغانستان کے تین صوبوں بامیان، اورزگان اور غور کے مراکز "یعنی صوبائی دارالحکومتوں" کے علاوہ تقریباً پورے صوبے آزاد ہیں۔ روسیوں نے یہاں کارمل انتظامیہ قائم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ گذشتہ دنوں صوبہ غور میں روسی افواج نے ایک بڑا آپریشن کیا لیکن اس کا مقصد مجاہدین کی قوت کو جو صوبائی دارالحکومت پر حملے سے پیشتر منتشر کرنا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں کارمل انتظامیہ کو بامیان کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ بامیان شہر مجاہدین کے قبضے میں آگیا تھا جسے روسی فوجوں نے بہیمانہ قتل اور وحشیانہ کارروائی کے ذریعے دوبارہ حاصل کیا تھا۔ صوبہ اورزگان کے دارالحکومت ترین کوٹ سے قریب جھڑپیں ہوئی ہیں۔ صوبہ پکتیکا میں ارگون، شہر نو اور خوست کے سوا پورا علاقہ آزاد کردہ علاقہ ہے۔ اسی طرح صوبہ پکتیا کے دارالحکومت گردیز اور خوست کے سوا پورا علاقہ آزاد ہے۔ اس علاقے میں مجاہدین نے خوست اور ارگون کی فوجی چھاؤنیوں کو محاصرہ میں لے رکھا ہے۔ نہ مجاہدین کے پاس اسلحہ موجود ہے کہ وہ ان چھاؤنیوں پر قبضہ کر لیں اور نہ سرکاری فوجوں میں یہ قوت ہے کہ وہ باہر نکل کر مجاہدین کا محاصرہ توڑ سکیں۔

<u>شہری چھاپہ مار کاروائیاں</u>:- تحریک مزاحمت میں یہ نیا عامل ہے جو گذشتہ برس ۱۹۸۰ء میں منظر عام پر آیا۔ شہری چھاپہ مار دیہاتی اور وادیوں کے مجاہدین کے برعکس الگ الگ یا دو یا چار افراد پر مشتمل گروپ کی شکل میں کارروائی کرتے ہیں۔ کارمل انتظامیہ اور قابض روسی فوج کیلئے سب سے زیادہ اعصاب شکن تحریک مزاحمت کی یہی پہچان ہے۔ شہری چھاپہ مار مجاہدین چار شہروں کا کامیاب کارروائیاں کرتے رہے ہیں۔ جن میں کابل، غزنی، ہرات اور قندھار شامل ہیں۔ بالخصوص دارالحکومت کابل ملک کے دوسرے بڑے شہر قندھار میں مجاہدین نہایت کامیاب جا رہے ہیں جہاں انھوں نے قندھار کے شہر نو کی فوجی پوسٹ تباہ کرنے کے علاوہ قندھار جیل پر حملہ کر کے اپنے ساتھیوں سمیت ۲۰ قیدی چھڑا لئے ہیں۔ گذشتہ دنوں کی ہڑتال میں کابل کے فوجی علاقے چہار باغ میں روسی فوجی مشیر کو چار ساتھیوں سمیت ہلاک کر دیا تھا۔

<u>کابل ریڈیو کے اعترافات</u>:- جولائی اور اگست کے ان دو مہینوں میں کارمل انتظامیہ کے ریڈیو کابل نے مجاہدین اور سرکاری فوجوں کے درمیان ۵۶ جھڑپوں کا اعتراف کیا ہے۔ کابل ریڈیو نے کل ۱۹ صوبوں میں جھڑپوں اور لڑائی کا اعتراف کیا ہے۔ ان میں کابل، پغمان، ننگرہار، کنڑ، پکتیا، وردگ، غزنی، قندھار، نیمروز، فراہ، ہرات، فاریاب، جوزجان، بلخ، کندز، بدخشان، تخار، لغمان اور پروان شامل ہیں۔ ان اعترافات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

جولائی ــــ ۱۰ صوبے ــــ ۲۳ جھڑپیں

اگست ــــ ۱۸ ،، ــــ ۳۳ ،،

جولائی کابل نے جن صوبوں میں شدید جنگ تسلیم کی ہے ان میں دس صوبے یعنی کابل، ننگرہار، کنڑ، بلخ، جوزجان، فاریاب، پروان، ہرات، قندھار اور لوگر شامل ہیں۔ جولائی کی نسبت اگست میں جنگ تیز تر ہوگئی۔

<u>مظالم</u>:- روسی فوجوں نے تقریباً تمام صوبوں میں فضائی قوت استعمال کی ہے۔ جن صوبوں میں شہری آبادیوں کا شدید نقصان ہوا ان میں فاریاب، غور، ننگرہار، لوگر اور قندھار قابل ذکر ہیں۔ قندھار شہر میں تلاشی لیتے ہوئے روسی فوجیوں نے ایک شہری کو گولی مار کر شہید کر دیا اس شہری نے روسی فوجیوں کے زنان خانوں میں داخلے اور تلاشی پر احتجاج کیا تھا۔

<u>مجاہدین سے آملنے والے افغان فوجی</u>:- (۱) پغمان میں ۳۰ فوجی عید کے روز مجاہدین سے آملے۔

(۲) صوبہ قندھار کے علاقے پنجوائی کے مورچوں میں چھ ٹینک اپنے عملے سمیت مجاہدین سے آملے۔ جبکہ ۸ پیدل فوجی مجاہدین کے ساتھی بن گئے۔

(۳) قندھار شہر میں تین فوجی مجاہدین سے مل گئے۔

(۴) بلخ شہر میں متعین افغان فوجی بھی مجاہدین سے ملے ہیں اب ۰۰ سے زائد افواج ومع اسلحہ مجاہدین کے مورچوں میں پہنچ چکے ہیں۔

<u>کرفیو</u>:- افغانستان میں کمیونسٹ حکومت کے بعد سے تمام بڑے شہروں اور قصبوں میں کرفیو نافذ ہے۔ ان چار برس چار مہینوں میں رات کے کرفیو کے اوقات میں کبھی کمی نہیں ہوئی۔ کابل میں رمضان المبارک کے بعد اب کرفیو کے وقت میں دو گھنٹے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

<u>سیاسی صورت حالات</u>:- کارمل انتظامیہ پرچم خلق کشمکش کا شکار رہی ہے۔ جسے وہ حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ گذشتہ کمیونسٹ حکومت کے خلقی ممبر اور وزیر مواصلات اسلم وطنجار کو روس بلایا گیا تھا۔ دوسری اعلیٰ روسی وفد پرچم۔ خلق مفاہمت کیلئے کابل میں دو ہفتوں سے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔

جبکہ دوسری جانب پاکستان میں مقیم افغان مہاجرین اور پاکستانیوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ روسی آقاؤں کا خیال ہے کہ اگر پاکستان میں افغان مہاجرین اور مقامی آبادی کے درمیان غلط فہمی پیدا ہو جائے تو مجاہدین سے ہر دم پٹتی ہوئی کارمل انتظامیہ کو سانس درست کرنے کا موقع مل جائے گا۔

دار الحکومت کابل میں پاکستانی سرحد کے آر پار آباد قبائل کو بلایا جا رہا ہے۔ گذشتہ چند ہفتوں میں ببرک کارمل نے پکتیا کے ایک وفد سے ملاقات کی۔ سلیمان لائق (وزیر سرحدات) نے پکتیا کا اسی اغراض سے دورہ کیا۔ کارمل انتظامیہ وزیرستان، تیراہ یا باجوڑ کی ایجنسیوں اور ماحول پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ قبائل پر توجہ کا مقصد قبائلی عوام کو افغان مہاجرین کے مد مقابل لا کھڑا کرنا ہے۔ اب حال ہی میں وزیر داخلہ سید محمد گلاب زوئی نے پکتیا کا دورہ کیا ہے۔ اس تمام بھاگ دوڑ کے باوجود کارمل انتظامیہ ان قبائل پر اپنا اثر قائم کرنے میں اب تک کامیابی حاصل نہیں کر سکی ہے۔

پروفیسر سیاف کی قیادت میں سات جماعتی "اتحاد اسلامی مجاہدین افغانستان" تحریک مزاحمت کو تیز تر کر رہا ہے۔ اس اتحاد میں انجینئر گلبدین حکمت یار، پروفیسر برہان الدین ربانی، مولوی یونس خالص جیسے مجاہد رہنما شامل ہیں۔

روس کے جی بی نے اس سات جماعتی اتحاد کے درمیان جعلی خط کے ذریعے اختلاف کا جو منصوبہ بنایا تھا انجینئر گلبدین حکمت یار نے اس کا بروقت انکشاف کرکے اسے خاک میں ملا دیا ہے۔

<u>پرچم خلق کشمکش</u>:- (۱) کابل شہر میں خلقی اور پرچمی عہدیداروں میں اس ماہ مسلح جھڑپیں ہو چکی ہیں۔

(۲) ببرک کارمل نے "سوق و اداره" کے نام سے ایک ادارہ قائم کر

بقیہ صفحہ ۱۵

راشد شاد

اقبال کا مسئلہ

پروفیسر عبدالمغنی کی تازہ ترین کتاب اقبال اور عالمی ادب کا تجزیہ

ہر بڑا ادب اور ہر بڑی شاعری دو عناصر کے تعامل سے تخلیق ہوا ہے۔ اول فکر اور دوم فن۔ ان دونوں میں کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے کے نتیجے میں یا تو خالص قلاشی وجود میں آئے گی یا وہ ادب پارہ محض تبلیغ کا پلندہ بن کر رہ جائے گا۔ فکر میں جب تک فن اس درجہ گھل مل نہ گیا ہو کہ ان کی شناخت مشکل ہو گئی ہو اس وقت تک ایک موثر ادب پارے کے وجود سے متعلق شک و شبہ میں مبتلا رہنا چاہیے۔ اسی طرح شاعر کے پاس اگر کچھ بھی نہ ہو تو اس عیب کو محض فنی بازی گری کے پردے میں نہیں چھپایا جا سکتا۔ ہر بڑی شاعری کی طرح اقبال کے یہاں بھی یہ عناصر اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ان کی علیحدہ شناخت مشکل ہو گئی ہے۔ جس امر کا اعتراف کلیم الدین احمد نے بھی کیا ہے جنھیں اقبال کی منظم اور مربوط فکر سے خاصا انقباض ہے۔

زیر تبصرہ کتاب جس کی تصنیف کا محرک کلیم الدین احمد کی تصنیف اقبال ۔ ایک مطالعہ ہے، اپنے آپ میں ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں تقابلی مطالعے کے ذریعہ عالمی ادب میں اقبال کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ البتہ جو چیز اس تصنیف کو دوسری تنقیدی کتابوں سے ممیز کرتی ہے وہ اس کا غیر مرعوبانہ اور استدلالی انداز فکر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال کو اب تک دو انتہاؤں پر سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک وہ طبقہ ہے جو انہیں محض اسلام کے مبلغ اور مفکر کی حیثیت سے دیکھتا ہے یا دیکھنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں جمالیاتی لطف (AESTHETIC PLEASURE) کا خون یقینی ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ایک طرف تو اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اقبال کے ہاں فکر اور فن ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے ہیں اور دوسری طرف اقبال کی شاعری کو ان کی فکر و فلسفہ سے جدا کر کے پرکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ نتیجتاً CONFUSION اور غلط فہمی لازمی ہے۔

اس اعتبار سے یہ بات بہت ہی وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ہر دو گروہ نے آدھے اقبال کو اپنے مباحثے کا موضوع بنایا ہے پورا اقبال نہ تو اس انتہا پر ہے اور نہ اس انتہا پر۔ عبدالمغنی کی کتاب اس اعتبار سے اپنی نوعیت کی پہلی مستقل تصنیف ہے جہاں اقبال کو اس کے کل کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مصنف کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اپنے مطالعے اور تجزیے کے دوران کسی انتہا پر نظر نہیں آتے۔ ان کے ہاں شروع سے آخر تک "نرم دم گفتگو گرم دم جستجو" کی فضا قائم ہے۔ گرچہ کہیں کہیں اس کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا ہے جس سے صرف نظر ممکن نہیں لیکن یہ رنگ اتنا گہرا نہیں جو مجموعی اثر کو زائل کر سکے۔

گذشتہ چند برسوں سے یہ سوال بھی شد و مد کے ساتھ اٹھایا جاتا رہا ہے کہ دو مختلف زبان کے شاعروں کا تقابلی مطالعہ ممکن بھی ہے یا نہیں؟ اس میں شبہ نہیں کہ یہ سوال بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور اس میں بحث و تمحیص کی خاصی گنجائش موجود ہے۔ یہ سوال یہاں اٹھانے کی قطعی ضرورت محسوس نہ ہوتی اگر اردو میں لکھے گئے تقابلی مطالعوں کی سطحیت مجھ پر واضح نہ ہوتی۔ اس بارے میں کلیم الدین احمد کے ASSUMPTIONS سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ ہماری زبان کا نقاد دو مختلف زبانوں کے شاعروں کے درمیان بے جوڑ مماثلت ڈھونڈھ کر کارنامہ سمجھتا ہے۔ یہ بات تو موصوف کے بارے میں بھی بہت حد تک صحیح ہے جہاں مماثلت تو دور کی بات محض مماثلت کے شبہ پر مغربی ادب پاروں سے پورے کے پورے اقتباسات نقل کر دیے گئے ہیں۔

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

بحث سے گریز کے واسطے یہ بات بھی جا سکتی ہے کہ ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے جس کی بنیاد پر اس کے شعری اقدار کا تعین عمل میں آتا ہے لہٰذا دو مختلف زبان کے شاعروں کے درمیان عظمت کا حتمی فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ البتہ اگر عالمی ادب میں مشترک شعری اقدار کا تعین کیا جا سکے اور ان اقدار کو جو ادب کی LOCALITY سے متعلق ہو نظر انداز کیا جائے تو اس سطح پر تقابلی مطالعے کی گنجائش پیدا ہو سکتی ہے۔ اقبال: ادب عالمی ادب میں مقام اقبال کے تعین کے سلسلے میں مشترک شعری اقدار کی جستجو اور اس راہ میں پہلا قدم ہے۔ کتاب کی اہمیت اس اعتبار سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ اس میں صرف اقبال کا تقابلی مطالعہ ہی نہیں بلکہ تقابلی مطالعے کے لئے ایسے بنیادی اصول موجود ہیں اور شعری اقدار کے تعین کی وہ سطح موجود ہے جس پر دنیا کے ہر بڑے شاعر کو پرکھا جا سکتا ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کتاب کے دوسرے مضامین کی طرح واضح اور ملٹن کا تقابلی مطالعہ خاصی اہمیت کی چیز ہے۔ عبد المغنی کسی مرعوب نقاد کی طرح SANTAYNA کے قول کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے، ان کی آنکھیں مشاہدہ کے لئے کھلی ہیں، ان کا ذہن کسی ذاتی فیصلے کے لئے کافی وسیع ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے نتیجے میں پوری کتاب میں خود اعتمادی کی فضا قائم ہے۔ جو میرے نزدیک کسی تنقیدی کتاب کی کامیابی کی اولین شرط ہے۔ یہاں یہ بھی اور وہ بھی کا انداز نہیں ہر مطالعہ بے تجزیہ ہے اور بہت ہی واضح جو شاید اس امر پر دال ہے کہ بحث سے متعلق مصنف کا ذہن خاصا صاف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مصنف کو اپنی زبان کا وکیل نہیں ہونا چاہیے اس بات سے ہم بھی اتفاق کرتے ہیں لیکن کیا پیشے کی مناسبت سے کسی زبان کی دلالی کا کوئی اخلاقی جواز موجود ہے؟ ایلیٹ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شیکسپیر کی صحیح تفہیم کے لئے اور شیکسپیر کے ناقد کے لئے بنیادی شرائط یہ ہیں کہ اسے بیک وقت فنِ ڈرامہ نگاری، شاعری، تھیٹر، عہد الزبتھ کے اسٹیج، ڈراموں کے محرکات اور ان کے ماخذ سے واقف ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر شیکسپیر کو صحیح معنوں

میں سمجھنے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ یہی بات حوادث کی تبدیلی کے ساتھ اقبال کے ناقدین کے لئے بھی کہی جا سکتی ہے۔ اقبال جدید اور قدیم دنیا کی وہ درمیانی کڑی ہیں۔ جنہیں اس کے تمام تناظر سے علیحدہ کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس کے لئے مغربی ادب اور مغربی مفکرین سے واقفیت کے علاوہ مشرقی علوم اور شاعری کا گہرا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔ عبد المغنی کو چونکہ مشرقی اور مغربی ادبیات کے مطالعہ کا موقع ملا ہے، وہ مغربی ادب کے علاوہ مشرقی شاعری کی عظیم روایتوں سے بھی واقف ہیں اس لئے مطالعے کا حق کسی قدر ادا ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ہر بڑی شخصیت CONTROVERSIAL ہوتی ہے اور ہر بڑی تصنیف ہنگامہ خیزی بھی ساتھ لاتی ہے۔ یہ بات عبد المغنی کی اس تصنیف کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن ایک حقیقت جسے مستقل نظر انداز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان شخصیات کے پہلو بہ پہلو کچھ لوگ CONTROVERSIAL بنتے اور شہرت میں حصہ بٹانے کی خاطر مسلسل جد و جہد بھی کرتے رہتے ہیں۔ آزاد جمہوریت میں ہر شخص کو شہرت کے حصول کا حق حاصل ہے اور ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں مگر اس گھٹیا مقصد کی خاطر کسی کی ذات پر حملہ کہاں تک جائز ہے؟ یہ اخلاقیات کا سوال ہے جس پر ہر "ادبی" اور "غیر ادبی" رسالے کے مدیر کو غور کرنا چاہیے۔ البتہ ایسے لوگوں سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ خود عبد المغنی کے چکر میں اپنی ذہنی پستی اور غیر سنجیدگی کا بھرم نہ کھولیں تو اچھا ہے۔ گھروں میں انھیں ہر کام کرنے اور ہر قسم کی زبان استعمال کرنے کی اجازت ہو لیکن کم از کم ادبی رسالوں میں اپنی سطح پہ اتر کر گفتگو کرنے کے بجائے شائستگی ملحوظ رکھنا زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ اس سے قاری کی زبان خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

کتاب کا آخری مضمون "عالمی ادب میں اقبال کا مقام" جسے مصنف نے ایک مستقل کتاب کا مقدمہ بنایا ہے، مطالعۂ اقبال اور تقابلی مطالعات کے لئے اہم نکات فراہم کرتا ہے۔ الیٹ، گوئٹے، دانتے اور شیکسپیر سے اقبال کے تقابلی مطالعہ کے لئے ابھی بہت کچھ مشترک

بقیہ صفحہ ۱۰

حلقۂ یاراں

(۱)

مکرمی و محترمی جناب مدیر مسئول حیاتِ نو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ یاد فرمائی کے لئے مشکور ہوں۔ پچھلے دنوں ذرا مصروفیت تھی۔ آج ذرا سکون ملا ہے۔ اس لئے چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ نومبر کا حیاتِ نو بھی آج ہی موصول ہوا۔ آپ حضرات کی کوششوں سے اس کا معیار مائل بہ ترقی ہے۔ خدا مزید ترقی دے۔ آمین۔ البتہ چند معروضات پیش کر رہا ہوں۔

۱ — قرآنی آیات کے سلسلے میں جو مقدار میں بہت کم ہوتی ہیں کم از کم اتنا اہتمام تو ہونا ہی چاہئے کہ ان کی کتابت صحیح ہو۔ اس کی کمی محسوس ہوئی۔

۲ — کتابت کی دوسری غلطیاں بھی قابلِ توجہ ہیں۔

۳ — عزیزی انور کمال کی کوشش "حفاظتِ قرآن" کی شکل میں قابلِ قدر ہے لیکن چند چیزیں غور و فکر کی طالب ہیں۔ دوسرے پیراگراف میں لکھا گیا کہ "اس سے پیشتر آسمانی کتابوں میں تحریف و تبدیل کو دیکھ کر خود اللہ نے اس کتاب قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا" اس عبارت سے تاخر کیا لگتا ہے، وضاحت کی ضرورت نہیں۔ تیسرے پیراگراف کا یہ ابتدائی جملہ "چنانچہ حضورؐ اور صحابہ کرام نے قرآن کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا" بیڑہ انہیں اٹھانے کی کیوں ضرورت پیش آئی جب ذمہ خدا نے خود لیا تھا۔ نیز مضمون کا آخری جملہ "انشاء اللہ قیامت تک اس میں تحریف نہ ہو سکے گی۔ جب مشیتِ خداوندی ایک معلوم شے ہے تو انشاء اللہ کی شرط کی ضرورت ہے؟

۴ — فلسطینی بچوں کے خطوط۔ اللہ میاں کے نام کی معنویت بھی میری سمجھ میں نہ آسکی سوائے اس کے کہ ظلم و بربریت کا احساس دلاتے ہیں لیکن انداز نامناسب ہے۔

بقیہ مضامین قابلِ قدر رہے۔ "تاریکی کے بعد ہی روشنی کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔" میرے معروضات بربنائے تعلق اور خوب سے خوب تر دیکھنے کی خواہش پر مبنی ہیں۔ ورنہ میرے احساسات آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ اچھوں کی مجلس میں چند خراب عناصر گھس آئیں تو کھٹکتے ہیں۔ بس یہی حال اپنا ہے۔

اساتذہ، احباب اور دیگر طلبہ برادری کو سلام عرض ہے۔ (والسلام)

آپ کا ——— منور حسین

ایس ایس ہال مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۲)

محترم ایڈیٹر صاحب! ——— السلام علیکم۔

امید ہے کہ بخیر ہوں گے۔ آج اتفاقاً میری نگاہ سے آپ کا پرچہ "حیاتِ نو" گزرا۔ بغور پڑھا۔ پرچہ کافی پسند آیا۔ آپ اس کے لئے قابلِ مبارکباد ہیں۔ لیکن میں آپ کو چند مشورے دینا چاہتا ہوں۔ اگر ممکن اور مناسب سمجھیں تو ضرور عمل میں لاویں۔ نوازش ہوگی۔ نہیں تو کم از کم میری غلط فہمیوں کو دور کریں۔

میرے خیال سے یہ پرچہ نوجوان طبقہ یا طالبِ علم کے لئے مخصوص طور پر شائع کیا جا رہا ہے لیکن یہ پرچہ کچھ روکھا ہے۔ اس میں ادبی لطائف، گلوریاں اور ادبی نشستیں بھی شامل ہونی چاہئیں۔ ادبی، تاریخی اور اسلامی کہانیاں بھی موزوں ثابت ہو سکتی ہیں۔

جیسا کہ آج سائنس اور ٹکنالوجی کا زمانہ ہے لہٰذا میری آپ سے

(بقیہ صفحہ ۳۶ پر)

محمد سمیع احمد متعلم درجہ عربی ششم۔

جامعہ کے لیل و نہار

جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے تقریری انعامی مقابلے

خدا کا فضل ہے کہ جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے منعقد کئے جانے والے ثانوی و اعلیٰ درجات کے تقریری انعامی مقابلے جن کی ابتداء ۴ نومبر ۸۲ء سے ہوئی تھی ۱۳ نومبر کو بحسن و خوبی اختتام پا گئے۔ اس مقابلہ میں چھ گروپ تھے جن کے مقابلے بالترتیب ۴، ۶، ۸، ۱۰، ۱۱ اور ۱۳ نومبر کو ہوئے۔ نتائج کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

گروپ (۱) عربی پنجم تا ہفتم

انعام اول مبارک حسین

" دوم توقیر عالم

" سوم تفضیل احمد

گروپ (۲) عربی چہارم

انعام اول اصغر مصطفیٰ بجنوری

" دوم محمد امین کشمیری

" سوم محمد حسن

گروپ (۳) عربی دوم و سوم

انعام اول اشتیاق احمد

" دوم تفضل حسین نیپالی

" سوم عبد الحی نیپالی

گروپ (۴) عربی اول

انعام اول فیضان احمد نیپالی

انعام دوم (۱) جاوید صدیقی (۲) افضل حسین غازی

" سوم (۱) نور محمد (۲) فیروز عالم نیپالی

گروپ (۵) درجہ ششم و ہفتم (ثانوی)

انعام اول فیروز کمال

" دوم محمد تحسین

" سوم اخلاق احمد

گروپ (۶) بجماعت پنجم (مقابلہ بیت بازی)

انعام اول عطاء اللہ

" دوم مہتاب عالم

" سوم (۱) عبد الرب (۲) عبد السلام

اجلاس دوسالہ انجمن طلبۂ قدیم کی تیاریاں اپنے آخری مرحلہ میں

انجمن طلبۂ قدیم کا دوسرا دوسالہ کنونشن جو ۲۱، ۲۲، ۲۳ نومبر کو ہونے جا رہا ہے خدا کا شکر ہے کہ اس کی تیاریاں اب اپنے آخری مرحلہ میں ہیں۔ ابتدائی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ طلبۂ جامعہ پارک اور چمن کی آرائش و زیبائش میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اجلاس کی تیاری میں پوری طرح لگے ہوئے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ اجلاس جن مقاصد کے تحت اس کا انعقاد عمل میں آ رہا ہے پورے کرے اور جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ایک سنگ میل ثابت ہو۔ تاکہ ہماری تمنائیں اور دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکیں۔

(بقیہ [illegible])